ایران کے جمہوری و اسلامی انقلابی دور میں اقبال شناسی

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض

ایران میں عظیم جمہوری اسلامی انقلاب فروری ۱۹۷۹ء میں برپا ہوا۔ اس سے قبل میں دو میعاروں کے دوران سات برس سے زیادہ عرصے تک اس ملک میں مقیم رہا۔ آپ ودانہ کی کشش دیکھیں کہ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے اواخر تک بالترتیب علامہ اقبال (مارچ ۱۹۸۶ء) خواجہ حافظ (نومبر ۱۹۸۸ء) حکیم فردوسی (دسمبر ۱۹۹۰ء) اور خواجو کرمانی (اکتوبر ۱۹۹۰ء) کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کرنے کے سلسلے میں ہفتے یا دو ہفتے تک یہاں رہنے اور تبادلہ خیال کرنے کے مزید مواقع ملے۔ اس دوران ایران کے جمہوری اسلامی دور کا اقبالیاتی ادب ہی دستیاب نہ ہوا بلکہ کتب اقبال شناسی کے اکثر مصنفین اور مترجمین سے شناسائی ہوئی اور ان میں سے بعض کے ساتھ مفید مکاتبت بھی جاری ہے۔ فارسی ادب کے نئے رجحانات جاننے کے علاوہ ایران میں مطالعہ اقبال کی پیشرفت سے آگاہی میری خاص دلچسپیاں رہی ہیں۔ اس ضمن میں علامہ اقبال کے بارے میں لکھی جانے والی کتب، ان کے کلام کی تدوین وتوضیح، منتخبات کلام کی اشاعت اور بعض کتب اقبالیات کے فارسی تراجم وغیرہ کی کیفیت سے قارئین کرام کو اجمالاً آشنا کرنا میرا ایک خوشگوار فریضہ تھا جو اس تحریر کے ذریعے ادا کر رہا ہوں۔

۱۔ نوای شاعر فردا (تدوین وتحشیہ مثنوی یہای اسرار و رموز) مرتبہ ڈاکٹر محمد حسین مشائخ فریدنی مرحوم:

مثنوی اسرار خودی اور مثنوی رموز بیخودی کے متون کے تحشیہ پر مبنی مندرجہ بالا

عنوان کی کتاب ۱۳۵۸ھ ش ۱۹۷۹ء میں ۳ ہزار نسخوں کی تعداد میں ایران کے اسلامی جمہوری انقلاب کے اوائل میں عمدی کاغذ پر مجلد شائع ہوئی (شائع کردہ بنیاد فرہنگ ایران، تہران، بڑی تقطیع ۲۵۰ صفحات) اسے ڈاکٹر محمد حسین فرید نی مرحوم (متوفی ۵ دسمبر ۱۹۹۰ء) نے مرتب کر کے شائع کروایا تھا۔ مرحوم مصنف کو پاکستان کے اہل علم بخوبی جانتے ہیں۔ وہ کوئی دو دہائیوں تک پاکستان میں ایران کے کلچرل اتاشی اور پھر سفیر رہے (۱۹۵۸ء تا ۱۹۷۷ء)۔ ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ شاہ جہاں میں ایران و برصغیر کے روابط کے بارے میں ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ (تہران یونیورسٹی)۔ وہ اعلیٰ پائے کے عربی دان تھے۔ مجھے استاد بدیع الزمان فروزانفر (م ۱۹۷۰ء) کی زبانی ان کی عربی دانی کی توصیف سن کر تعجب ہوتا تھا۔ وہ موضوعات اقبال کے مداح تھے۔ سعودی عرب اور عراق وغیرہ میں اپنی سفارت کے دوران انہوں نے بڑے اہتمام سے یوم اقبال منعقد کروائے اور یہاں پاکستان میں بھی۔ پاکستان کے مختلف مکاتب فکر کے زعماء سے ان کے دوستانہ روابط تھے۔ پنجاب یونیورسٹی نے انہیں قانون میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی دگری دی تھی۔ رقم بھی ان کا نیازمند رہا اور ''نوای شاعر فردا'' کا ایک نسخہ انہوں نے مارچ ۱۹۸۶ء میں اسے تہران میں دیا تھا۔ ڈاکٹر فرید نی کراچی سے بمبئی جاتے ہوئے سکتہ قلبی سے فوت ہوئے تھے۔

''نوای شاعر فردا'' کے آغاز میں ناشر ادارے کا ایک تعارفی نوٹ ہے اور بعد ازاں مرتب کا علامہ اقبال کے احوال و آثار و افکار پر مشتمل تفصیلی مقدمہ (۹۸ صفحے)۔ بقیہ ۱۵۶ صفحوں میں مثنویوں کا متن ہے۔ مصنف نے متن پر مفید لغوی اور توضیحی حواشی لکھے ہیں۔ کتاب میں چند تسامحات اصلاح طلب ہیں، مثلاً پاکستان کے قیام کی تاریخ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے بجائے ۱۹۵۸ء مرقوم ہے۔ ایسا مغالطہ ہجری شمسی سنہ کو عیسوی سال میں بدلنے سے واقع ہوا۔ اس طرح چند تاریخی اور معنوی زلات

بھی ملتی ہیں۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال اور ان کے ہمراہ ثقافتی وفد کے افغانستان جانے کے سلسلے میں مولف نے لکھا ہے کہ یہ ظاہر شاہ کی دعوت پر گئے تھے، حالانکہ یہ دعوت سفر نادر شاہ افغان نے دی تھی، (۱) اور ظاہر شاہ کا دور اقتدار ان کے والد کی شہادت کی تاریخ ۹ نومبر ۱۹۳۳ء سے شروع ہوا (کتاب مذکور صفحہ ۴۵)۔ اسی طرح کتاب ''بانگ درا'' پر مولف نے عجیب تبصرہ کیا ہے کہ اس میں مسلم قومیت کے بارے میں کچھ نہیں ملتا (صفحہ ۵۲) حالانکہ علامہ مرحوم کے کئی اشعار اور متعدد نظمیں اس موضوع کی حامل ہیں۔ ان معدودے چند باتوں کی اصلاح کے بعد یہ کتاب اگر پاکستان میں شائع ہو کر ہمارے ہاں کے فاضل فارسی یا ایم۔ اے کے نصاب کا جزو بنے تو فارسی ادب کا بھی فائدہ ہو اور اقبال شناسی کی مساعی بھی تو سعد پذیر ہوں۔

اقبال ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے بارے میں ایران کے جمہوری اسلامی انقلاب کے داعی سراپا سپاس رہے ہیں۔ وہ اپنے انقلاب کو منجملہ دوسرے عوامل، ان کی فکر کا مرہون منت مانتے ہیں۔ اس حوالے سے جمہوری اسلامی انقلاب کے آغاز میں شائع ہونے والی اس کتاب کے تعارف ناشر کے ایک اقتباس کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں:

''تیرہویں صدی ہجری کے آخری سال بر اعظم ایشیا اور مشرق وسطی کے مسلمانوں کے لئے بہت بلاخیز اور مصیبت انگیز رہے۔ ان منحوس سالوں کے دوران یورپی استعمار اپنے تمام شیطانی تجربوں کیساتھ کامیاب ہو گیا کہ ملت اسلامیہ میں تفرقہ انگیزی کرے، مسلمانوں کی ثقافتی اور معاشی آزادی کو چھین لے، تعلیم و تربیت کی وہ راہ جو دین اور عظمت انسانی پر استوار تھی، وہ ان کے لیے بند کر دے اور مجموعی طور پر عالم اسلام کو مغرب کا غلام اور فریفتہ کرے۔ پھر مسلمانوں کی قومی غیرت کو ختم کر دے اور ان کیدین اور ان کی تاریخ کو ان کی نظر میں حقیر بنا دے۔ انہی سالوں

کے دوران استعمار کے ہاتھ کٹھ پتلی بنے ہوئے ملوک، امرا، اعیان اور دینی راہنما کھلم کھلا ضمیر فروشی کرتے رہے اور اس پورے منطقے میں مغربی استعمار کا ڈنکا بجانے لگے اور مغربیوں کے مفاد کے کام کرنے لگے۔ استعمار پرستوں نے نئے دینی عقائد اور جدید مذاہب تراشے اور غیروں کے اشارے پر ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ اس طرح سامراجیوں نے سرزمین مشرق سے امن و صلح کی نعمت چھین لی اور مسلمانوں کو بالخصوص اپنا غلام اور دست نگر بنا ڈالا۔

ظلم اور استبداد کے جوئے کے بوجھ نے چودھویں صدی ہجری کے اوائل سے مسلمانوں کی قوت اور حکمت عملی کو اور بھی فشار زدہ اور زبوں بنا دیا۔ اس وقت روشن خیال مسلمان صورت حال کی بہتری لے لیے اٹھے۔ یہ کام اس لیے ضروری تھا کہ مغربی افکار تسلسل سے مشرق میں پہنچ رہے تھے اور چھاپے خانے کی سہولت کی وجہ سے انقلابی فکر کے حامل مقالے اور شعر نوجوانوں کے ہاتھوں میں پہنچ رہے تھے۔ اس وقت مشرق میں سیاسی جماعتیں بنیں اور عام سیاسی بیداری کی خاطر مجلّے شائع ہونے لگے جن میں آزادی خواہ اور بیدار ساز مطالب شامل تھے۔ مغربی ادب بھی مشرقی زبانوں میں منتقل ہونے لگا۔ اس ادب میں سائنسی اور ٹیکنیکی ترقی کے مطالب بھی ملنے لگے۔ اس طرح مشرق میں قومی ترقی اور عام بیداری کا ایک پر ہیجان رجحان ابھرنے لگا۔ برصغیر ہند، قلمرو عثمانی اور ایران میں اس وقت قومیت کے رجحانات ابھرنے لگے۔

برصغیر ہند کے مسلمانوں نے موجودہ صدی کے اوائل میں آزادی خواہی کی صدا بلند کی۔ ان انقلابی رہبروں اور فکری راہنماؤں میں سیالکوٹ میں متولد ایک نوجوان شیخ محمد اقبال شامل تھا۔ یہی اقبال اس صدی کے معروف ترین مسلمان مفکرین کے ایک فرد بنے اور اپنے عصر کے فارسی گو شعراء میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے اپنے ہم وطنوں کی کئی صدیوں کے خواب غفلت سے بیدار کرنے

اوران کی غلامی کی زنجیریں توڑ ڈالنے کی کامیاب کوششیں کیں۔انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کومتحد کرنے کی سعی کی اور ایک مستحکم اسلامی حکومت (پاکستان) کی تشکیل کی خاطر فکری اساس فراہم کی۔مسلمان اس خطے میں پسماندہ اور مضمحل تھے۔پیغام اقبال نے ان کے اضمحلال کی عظمت،شرف اور شکوہ سے بدل ڈالا۔

اقبال نے مسلمانوں کی ثولیدگی کی بڑی وجہ ان کے ایمان وایقان کی کمزوری اور اسلامی تعلیمات کے میزان کے برعکس ان کی شخصیت اور خودی کاضعف بتایا۔ انہوں نے بتایا کہ مغرب کے تمدن سے خیرہ ہونے اوراس کے سراب کوآب سمجھنے اور باہم فرقہ انگیزی اور اسلامی عالمگیر اخوت کی بجائے وطن پرستانہ قومیت اپنانے سے مسلمان کمزورہورہے ہیں۔انہوں نے ہرطرح کی کوشش کی کہ مسلمان اسلام شناس بنیں اور اسلامی معاشرہ وحدت اور خودشناسی کامظہر ہو۔اقبال کی غلامی کے نقائص واضح کئے اور مسلمانوں کے سامنے آزادی اور استقلال والی زندگی کا خوش نما منظر پیش کیا۔

اپنے اکثر افکار اقبال نے فارسی زبان کی اپنی شاعری میں پیش کئے۔یہ زبان صدیوں تک برصغیر کی عمومی زبان رہی۔اقبال نے اس میں اپنے اعلی وارفع فلسفیانہ اور انقلابی افکار نظم کئے۔یوں اس صدی میں مثنوی،غزل،دوبیتی اور قطعےوغیرہ کے عالمی شاہکاروں والے مجموعے منصۂ شہود پر آئے۔اس طرح اقبال، ایران اور برصغیر میں نوتشکیل پذیر اسلامی حکومت (پاکستان) کے ان ثقافتی، دینی اور سیاسی روابط کی بنیاد پہلے سے رکھنے کے پیش تازبنے جوآج روزافزوں ہیں اوردونوں ہم جوار مسلم حکومتیں ان تعلقات کے اثمار سے بہرہ مند ہورہی ہیں۔اقبال عارفانہ افکار کے بیان کرنے میں مولانا جال الدین رومی کے معنوی مرید بنے اوران کی مثنوی کی ایک طرح سے انہوں نے عصری شرح لکھی۔اقبال اس ابدی مثنوی کے اسلوب کے پیرو ہیں۔غزل میں انہوں نے زیادہ تر خواجہ حافظ کے سبک کوسامنے

رکھا اور دوبئی میں اسلوب بابا طاہر عریاں ہمدانی کو۔ میدان سیاست میں وہ اسلام کے مستقبل کی خاطر ایران کو خاص اہمیت دیتے رہے۔ اقبال کا خیال تھا کہ تہران، ایشیائی ممالک کے مسائل حل کرنے کے ضمن میں ایک مرکز قرار پائے تا کہ مشرق بہتر احوال و اوضاع کا حامل بنے۔ اقبال کے معاصر دور میں البتہ ایران، اسلام سے دور ہو رہا تھا اور مغربی تمدن کی اندھی تقلید پر نازاں تھا۔ اس وقت آپ نے پیش گوئی کی تھی کہ اس سرزمین سے کوئی مرد حق اٹھے گا جو غلامان کی تقلید کی زنجیر کو توڑ کے انہیں مستقبل کی حریت دے گا اور مسلمانوں کی ملی عزت و آبرو کو لوٹائے گا۔

می رس مردی کہ زنجیر غلاماں بشکند

دیدہ ام از روزن دیوار زندان شما

''پیش گفتار ناشر'' کے بعد مثنویوں کے مرتب اور محشی کا تعارف ہے۔ ''تحقیقی درا حوال و افدار و آثار اقبال۔'' کتاب دانشگاہ پنجاب لاہور کے نام معنون ہے۔ مولف و موضح نے ذیل کے عنوانات پر لکھ کر کتاب ۹۸ صفحات پر مملو کی ہے: اُ

اقبال اور پاکستان ایک نظر میں، لاہور مدنیت ایران کا گہوارہ، عصر اقبال کے لاہور کا فکری اور معاشرتی دور نما، کوکب اقبال کی نمود، اقبال کے والدین اور علامہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت (از دبستان در سیالکوٹ یا دانشگاہ پنجاب در لاہور) آغاز شہرت، سفر یورپ، وطن میں مراجعت، عملی سیاست، شمع حیات کا خاتمہ، حیات اقبا ل کی ایک تقویم، تصانیف، علم الاقتصاد، ایران میں مابعد الطبعیات کا ارتقاء، درسی کتاب تاریخ ہند۔ اسرار خودی، رموز بیخودی، پیام مشرق، بانگ درا، زبور عجم مع دو مثنوی، جاوید نامہ۔ خطبات تشکیل جدید تفکر اسلامی، مسافر، بال جبریل، پس چہ باید کرد، ضرب کلیم، ارمغان حجاز اردو اور انگریزی مقالات۔

اقبال ایک معمار حرم، اتحاد مسلمین کا داعی۔ خلافت الٰہی کا نقیب، اقبال اور مثنوی رومی بحوالہ برصغیر میں مثنوی کی مقبولیت، اقبال، مصور و مفکر پاکستان، ایران

سے وابستگی، اقبال اور فارسی برصغیر میں فارسی کے تداول کی تاریخ، فارسی سرائی، اسلوب اقبال، اقبال کے نادر اور تازہ بتازہ کنایات اور جدید تراکیب، حاصل گفتگو پر مشتمل نونکات۔ مولف نے (صفحہ ۸۸، ۸۹) کئی نادر تراکیب اقبال لکھی ہیں جیسے: آدم فریب، آشیاں بندی، بانمود، بے نمود، بیخودی، پائندہ شناسی، پردم پیش اندوز، تلخ پوش (۲) تشنہ میر، خونیں ایاق، رمیدہ بو، سازو باز، شعلہ آشام، شعلہ نوش، نافہ مست کہنہ برگ ہلذت پیدائی، نظارہ سوز، جنگاہ (جنگ، گاہ) سر بکف، سکوں پرستی، جفاطلبی، خودافزا، خودافشاں، خوداندیش، دیر گیر، زیاں اندیش (۳) فطرت شناس، گراں واز اور گراں خیز...... اس سلسلے کے نونکات میں سے آخری نویں نکتے کا ترجمہ کچھ اس طرح ہوگا۔

''اقبال اپنے عصر کو اس قابل نہیں جانتے تھے کہ اس کے اکثر افراد ان کے افکار سمجھ سکیں گے۔ انہیں عالم انسانی اور عالم اسلام کے مستقبل سے امیدیں تھیں کہ اس وقت ان کے افکار کی بہترین تفہیم ہو سکے گی خصوصا ایرانیوں کے ذریعے۔ اس وقت وہ زنجیر غلامی توڑیں گے، انقلاب کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور استعمار گروں نیز سیاسی سفاکوں کے کاخ و کو کو سرنگوں کر کے دم لیں گے۔ اقبال نے اس لئے اپنے آپ کو نوائے شاعر فردا کہا ہے اور اس مولف نے اس عظیم مفکر کی پیروی میں ان دو مثنویوں کے متن اور اس کی توضیحات کو یہ نام دیا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا ہے

انتظار صبح خیزاں می کشم
اے خوش زرتشتیان آتشم
نغمہ ام از زخمہ بے پروا ستم
من نوائے شاعر فرداستم
عصر من دانندہ اسرار نیست
یوسف من بہر ایں بازار نیست

مثنویہائے اسرارخودی ورموز بیخودی کے متن پر مولف نے عمدہ لغوی اور معنوی بحثیں کی ہیں۔ اس کے علاوہ خودی اور بیخودی کے تصورات پر ان کے حواشی بہت گرہ کشا اور جامع نظر آئے۔ ان دونوں امور کے بارے میں ہم مثالیں فراہم کریں گے۔ پہلے بعض حواشی کے ترجم ملاحظہ ہوں۔ یہ حواشی، اسرارخودی کے متن پر ملتے ہیں:

۱۔

من کہ ایں شب را چو مہ آراستم
گرد پائے ملت بیضا ستم

حاشیہ ''نوائے فرد'' صفحہ ۱۱ برائے ''ملت بیضا'' بے آلائش اور پاک آئین و شریعت۔ یہ اسلام کا کنایہ ہے۔ علامہ اقبال کے ہاں قدیم شعراء کی طرح ملت لغوی معنی میں دین وشرع کے مترادت استعمال ہوا ہے۔ یہاں ملت بمعنی قوم لینے میں بھی حرج نہیں۔ ملت بیضاء یعنی سفید رو قوم جو ملت کفر کے بالمقابل کہی گئی ہے۔ قران مجید میں کئی بار اسلام کو نور روشنی اور کفر کو ظلمت و یاریکی کہا گیا ہے۔

۲۔

حسن انداز بیاں از من مجو
خوانسا و اصفہاں از من مجو

خوانسار (حاشیہ صفحہ ۱۵) خوانسار ضلع اصفہان کا ایک چھوٹا شہر ہے۔ اس لفظ کے دو اجزاء ہیں۔ خوان یا خانی۔ سار۔ خوان یا خانی چشمے کے معنی میں ہے اور سار، سر یعنی منبع کے لئے۔ مجموعی طور پر خوانسار بمعنی منبع آب ہے اور یہ مقام واقعی طور پر سر چشمہ آب ہے۔

۳۔

وانمودن خویش را خوے خودی است

خفتہ در ہر ذرہ نیروے خودی است

حاشیہ: کہا جاتا ہے کہ حسین چہرہ چھپا نہیں رہ سکتا (پری رو تاب مستوری ندارد)۔ دوسرے مصرع میں ہاتف کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے ع

دل ہر ذرہ را کہ بشگافی

آفتابیش درمیں بینی

عربی کا ایک شعر ہے

ازعم انک جرم صغیر

و فیک انطوری العالم الاکبر؟

(کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو چھوٹا سا وجود ہے جبکہ تجھ میں جہان بزرگ نہ کیا ہوا ہے۔؟) صفحہ ۱۶

۴۔

میش نتواند بزور از شیر رست

سیم ساعد ماہ اروپولا دست

حاشیہ: شعر سعدی (گلستان) کے کلمات سے مستفاد ہے کہ

ہر ک با پولاد بازو پنجہ کرد

ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

۵۔

اہل عالم را صلا بر خواں کند

آتش خود را چو باد ارزاں کند

حاشیہ: (صفحہ ۳۷): صلا یا یعنی بڑی اور عظیم آگ۔ عرب قبائل میں مرسوم تھا کہ جب کوئی اونٹ دعوت عام کے ذبح کرتے تو ''الصلا'' کی صدا بلند کرتے یعنی

بڑی آگ کے گرد جمع ہو جاؤ۔ اس اعتبار سے صلا فارسی میں بھی دعوت عام کا کنایہ بن گیا۔

۶۔

ماہی و از سینہ تا سر آدم است
چوں بنات آشیاں اندریم است
از نوا بر ناخدا افسوں زند
کشتیش در قعر دریا افگند

حاشیہ صفحہ ۳۷ بنات آشیاں اندریم: یعنی یہ شاعر سمندر کی خیالی اور تصوراتی لڑکیوں کے سے ہیں جن کے سر سے سینے کا حصہ ہی آدم زادوں کا سا ہے۔ استاد مجتبیٰ مینوی مرحوم نے اپنے رسالے، اقبال لاہوری (صفحہ ۴۴) میں لکھا کہ یہ سمندر کی بیٹیاں ہیں حالانکہ شاعر کے بقول یہ لڑکیاں ہیں جن کے مسکن سمندر میں ہیں۔ (دوسرے شعر کے بموجب) یہ Sirenes ملاحوں کو خوش صدائی سے بہکا کر جہازوں اور کشتیوں کی غرقابی کا سبب بنتی ہیں۔

۷۔

از قم او خیزد اندر گورتن
مردہ جا نہا چوں صنوبر در چمن

اس قبیل کے رومی کے شعر یاد آتے ہیں

ہیں کہ اسرافیل و قتد اولیا
مردہ را زیشاں حیا تست و نما
جانہا نے مردہ اندر گورتن
بر جہد زاوزہ شاں اندر کفن

۸۔

ہر کہ در قعر مذلت ماندہ است
ناتوانی را قناعت خواندہ است

یہ شعر مجھے ترجمہ ''کلیہ ودمنہ'' کے باب ''الاسدوالثور'' (شیر اور بیل کے باب) کے ذیل کے بیت کی یاد دلاتا ہے۔

از دنایت شمر قناعت را
ہمتن را کہ نام کردہ است آز؟

۹۔

تا کجا خود را شماری ماء و طین
از گل خود شعلہ طور آفریں

یہاں شاعر اثر و خلاقی کی تلقین کی خاطر خود سے مخاطب ہے جسے Auto Suggestion کہا جاتا ہے۔ رومی نے ایسے ہی کہا ہے کہ

اے برادر تو ہمیں اندیشہ ای
ماقی تو استخوان و ریشہ ای
گر گلست اندیشہ تو گلشنی
در بود خاری تو ھیمہ گلخنی

۱۰۔

آشیانش صورت عنقا بلند
مہر و مہ بر شعلہ فکرش سپند

یعنی اس کا مقام عنقا کے آشیانے کی طرح بلند تھا۔ ذیل کے شعر کی طرف اشارہ ہے۔

برو این دام بر موغے دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

۱۱۔

پنجۂ حیدر کہ خیبر گیر بود
قوت او از ہمیں شمشیر بود

حاشیہ خیبر (صفحہ ۶۸): خیبر، مدینہ منورہ کے شمال میں تبوک کے راستے پر ایک مقام کا نام ہے۔ مدینہ اس کے بیچ میں ۱۵۰ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ حجاز کے یہودیوں کی زبان میں خیبر بمعنی قلعہ ہے۔ مقام خیبر پر سات قلعے تھے۔ فاعم۔ قموص، کتیبہ، شق، نطاۃ، وطیح اور سلالم۔ یہ قلعے ساتویں صدی ہجری میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور اس غزوے کے فاتح اور ہیرو حضرت علی قرار پائے۔

۱۳۴۶ھ ش، ۱۹۶۷ء میں جب میں بطور سفیر سعودی عرب میں حجاج کی خدمت پر مامور تھے۔ میں نے یہ مقام دیکھا۔ ایک قلعے کی اب تعمیر نو کی گئی ہے۔

۱۲۔

از تہیدستاں رخ زیبا مپوش
عشق سلمان و بلال ارزاں فروش

حاشیہ رجال شعر (صفحہ ۷۳)۔ سلمان یعنی حضرت سلمان فارسی اصفہانی (م ۳۰ھ) عاقل و دانا شخص تھے اور رسول اکرم ﷺ اور آپ کے خاندان کے مخلص، حامی اور خدمت گزار۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سلمان میرے گھر کے افراد میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں آپ کی راویت سے ۶۰ احادیث ملتی ہیں۔ آپ کا مدفن مدائن (عراق) میں ہے جہاں زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر عرب تھے۔ مسلمانوں کا ان پر اعتماد اور ان سے یگانگت اسلام کی مساوات، جمہوری انداز فکر اور عالمگیریت کی دلیل ہے۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حضرت ابو عبداللہ بلال بن صباح حبشی (م ۲۰ھ، ۶۳۱ء)

نبی اکرم ﷺ کے مامور موذن اور آپ کے معتمد خزانہ تھے۔ وہ ایک حبشی زادہ غلام تھے مگر اسلام کی دعوت سنتے ہی مسلمان ہو گئے اور دین حق پر استقامت دکھاتے ہوئے انہوں نے طاقت فرسا صعوبتیں اور مشکلات بسر کیں۔ رسول ﷺ اللہ کی رحلت کے بعد حضرت بلال نے اذان عام دی نہ کوئی کام کرنا قبول کیا البتہ وہ جہاد میں شرکت فرماتے رہے۔ آپ نے دمشق میں وفات پائی۔ صحیح بخاری شریف میں آپ کی روایت سے ۱۴۶ احادیث ملتی ہیں۔

مثنوی ''اسرار خودی'' کی کوئی ایک درجن متن توضیحات بطور نمونہ نقل ہوئیں۔ ساری توضیحات سے ہمارا اتفاق کرنا ضروری نہیں۔ بعض توضیحات مولف کے فقہی مشرب کی عکاس ہیں اور بعض خیالی۔ مثلاً ذیل کے اشعار میں احساس تنہائی اور کسی محرم راز کے فقدان کو وہ عطیہ بیگم فیضی (و ۱۹۶۷ء) سے مزعومہ انس و دلا سے منسوب کرتے ہیں۔

انتظار غمگسا رے تا کجا؟
جستجوئے رازدرے تا کجا؟
من مثال لالہء صحراستم
درمیان محفلے تنہاستم
خواہم از لطف تو یارے ہمدمے
از رموز فطرت من محرمے
ہمدے دیوانہ ی فرزانہ ی
از خیال این و آں بیگانہ ی
تابجان او سپارم ہوئے خویش
باز بینم در دل او روئے خویش

اقبال کے ایسے محرم راز، خودی شناس ہی ہو سکتے تھے۔ ایسے افراد کوئی ۲۰ برس

بعد جب انہیں میسر آنے لگے تو حضرت علامہ نے بال جبریل (اشاعت ۱۹۳۵ء) میں اظہار خرسندی فرمایا:

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں، اب مرے راز داں اور بھی ہیں

بہر اور اب خودی کے بارے میں ڈاکٹر محمد حسین فریدنی کے جامع نوٹ میں سے ایک اقتباس بطور ترجمہ ملاحظہ ہو:

''شخصیت یا خودی کے فلسفے کی پرورش اس مثنوی میں نہایت دلکش انداز اور واضح صورت میں پیش کی گئی ہے۔ یہ نظریہ ایک طرف مدلل اور عمیق علمی مسئلہ ہے جس کا مقصد ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو معمولی اور حقیر جاننے اور مغرب زدہ ہونے سے بچیں، اور دوسری طرف اس امر کی طرف توجہ بھی دلاتا ہے کہ مسلمان شجاعت، شہادت امید اور ایمان جیسے اوصاف کے حامل بنیں۔

اس مثنوی کے پردے میں علامہ محمد اقبال نے دنیا بھر کے انسانوں، بالخصوص مسلمانوں اور بالاخص برصغیر ہند کے اپنے ہم مذہبوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ خود شناس بنیں اور اپنی استعداد پر انحصار کریں۔ خود شناسی دنیا کے اجزاء اور عالم ہستی کے نظام کے اتصال سے عبارت ہے۔ مراتب وجود ہوں کہ عالمی تعینات، وہ سب خودی اور قوت شخصیت کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ اساس خودی عشق و محبت سے مستحکم ہوتی ہے۔ خود شناسی سے انسان حقیقی بے نیازی سیکھتا ہے اور دوسروں کی تقلید و گدائی سے اپنی آرزوؤں کی تکمیل سے باز رہتا ہے کیونکہ تقلید و احتیاج براری کی سعی سے خودی کمزور ہوتی ہے۔ جوہر خودی کی جلا اپنے نفس کی شناخت، خود اعتمادی اور عشق و عزم صمیم پر استوار ہوتی ہے۔ اس جوہر میں یہ توانائی ہے کہ فطرت کی جملہ پوشیدہ اور ظاہری قوتوں کو مسخر کر سکتا ہے۔ خود شناسی سے اعراض اور اسے مٹانے کی کوششیں شکست خودی اور غلام اقوام کے حربے ہوتے

ہیں تا کہ اس طرح غالب اور توانا اقوام کے اخلاق اور کردار کو کمزور کریں اور اس طرح ان کی دست درازیوں سے ایمن رہ سکیں۔ مشہور ہے کہ ایک دفعہ بھیڑوں نے شیروں کو گھاس کھانے اور گوشت خوری سے تائب ہونے کی تلقین کی۔ شیر بھیڑوں سے فریب کھا گئے اور یوں اپنے پنجے اور دانت بیکار کر بیٹھے۔ یونانی فلسفی افلاطون جس نے مسلمانوں کے ادب و عرفان کو متاثر کیا، وہ بھی مسلک گوسفندی کا داعی تھا۔ عجمی شعر و تصوف افلاطونی اوہام سے اثر پذیر ہوا اور اس سے متاثر شعراء و صوفیا نے موت اور فنا کو راہ نجات گردانا ہے، حالانکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے ان کا کام تھا کہ لوگوں کو امید و سربلندی کا پیغام دیتے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ گداصفتی کے مداح اور بے شخصیت شعراء کی غلط تعلیم سے بچنا چاہیے اور مسلمانوں میں یاس و نومیدی، نا خودشناسی اور غفلت و سستی کے افکار زشت پھیلنے کا تدارک کرنا چاہیے۔

خودی دو مرحلوں سے گزر کر تیسرے میں مکمل ہوتی ہے۔ مرحلہ اول قرآن مجید اور عام اسلامی تعلیمات میں بیان شدہ اوامر و نواہی کی پابندی ہے۔ دوسرا مرحلہ ضبط نفس اور شخصیت سازی کا ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ فرد اپنے جذبات پر ضبط کرے اور اس کے تحمل پذیر اعمال سے اخلاق و شرع کی پابندی مترشح ہو۔ تیسرا مرحلہ نیابت الٰہی کا ہے جو انسانیت کا کمال اور خلافت الٰہی کا مظہر ہے۔ اللہ کا خلیفہ یا مرد کامل قوائے کائنات کو مسخر کر لیتا ہے۔ ایسے کامل فرد کا ایک نمونہ اقبال نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کی شخصیت کے ذکر سے پیش کیا ہے۔ وہ خلیفتہ اللہ اور ولی اللہ تھے اور اس انسان کامل کی زبان پر احکام الٰہی جاری و ساری رہے۔

اس مثنوی میں اقبال نے بعض داستانین اور حکایات نقل کیں اور مسلمانوں کو بتایا کہ ان کا مقصد جوالارض کی خاطر فتوحات کرنا، کسی خاص خطہ وطن یا رنگ و نسل یا زبان کا حامی و مبلغ بننا شائستہ نہیں۔ ان کا ہدف اعلائے کلمتہ اللہ، دوسرے مسلمانوں کے لئے ایثار کرنا اور اپنے درمیان اتحاد و اخوت کے روابط استوار رکھنا ہے۔ آخر

میں اقبال نے مسلمانوں کی بیداری، ان کی خودشناسی اوران کے اتحادواتفاق کی بڑی دل سوسازانہ دعا کی ہے۔وہ آرزو کرتے ہیں کہ مسلمان ناخودشناسی اورتنگ نظری کے امراض سے مصئون رہیں۔

مثنوی ''اسرارخودی'' لفظ ومعنی اوراسلوب کے اعتبار سے مثنوی کی تقلید میں ہے اوراس میں رومی کے عارفانہ افکارعصری تقاضوں کے مطابق بیان ہوئے ہیں۔ آیۂ قرآن ہے: یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم...... (۱۰۵: المائدہ) یعنی اے اہل ایمان۔تم پر اپنے نفوس اورخودیوں کی حفاظت فرض ہے۔جب تم ہدایت پزیر ہوتو کوئی برگستہ راہ تمہیں گمراہ نہیں کرسکے گا۔یہ آیہ مبارکہ اورحدیث کے طور پر معروف ہونیوالا یہ قول کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ، اقبال کے تصور خودی کے منابع ہیں۔اگراس مثنوی کے بعض مضامین فریڈرک نطشے یا ہنری برگساں کے افکار کے مماثل ہوں تو یہ محض اتفاق اورتوارد ہے کیونکہ اسرارخودی اساسا اسلامی تعلیمات کی حامل ہے۔اقبال نے اپنے مکاتیب میں بجا لکھا ہے کہ مثنوی اسرارخودی کے افکارومطالب کووہ اس زمانے سے ذہن میں منظم کررہے تھے جب ان دوفلسفیوں کا نام تک انہوں نے نہیں سنا تھا۔(صفحہ ۵ تا ۷)

مثنوی ''رموز بیخودی'' کے متنی حواشی بھی مثنوی ''اسرارخودی'' کی منقلہ بالا مثالوں کے سے ہیں۔''رموز بیخودی'' کے تعارف میں بیخودی پر کا توضیحی نوٹ فارسی کتب اقبالیات کے تناظر میں خاص اہمیت کی حامل ہے کیونکہ فارسی نویسندگان کتب اقبال شناسی، علامہ اقبال کی اس نئی اصطلاح سے خاطر خواہ تعرض کم ہی کرسکے تھے۔تہران سے اشاعت پذیر فارسی کے اسلامی دائرۃ المعارف (جلد دوم) میں بےخودی باصطلاح اقبال پر راقم الحروف سے نوٹ لکھوایا گیا ہے۔بہرطور پر پہلے چند حواشی دیکھیں:

چوں مقام عبدہ محکم شود

کاسہ دریوزہ جام جم شود

حاشیہ عبدہ، (صفحہ ۹۴): قرآن مجید کی پانچ آیات میں لفظ عبدہ، استعمال ہوا ہے۔ سورۃ مریم کی آیت سوم میں اس سے مراد حضرت زکریا ہیں اور باقی چار میں حضرت محمد ﷺ: سورۃ فرقان آیت ۲، سورۃ زمر ۳۶، سرہ النجم آیت ۱۰ اور سورۃ الحدید آیت ۹۔ عبدہ، خدا کی مخصوص بندگی سے عبارت ہے۔

۲۔

شاہ عالمگیر گردوں آستاں

اعتبار دود مان گورگاں

(حاشیہ ۹۸) اورنگ زیب بن شاہجہان خرم بن جہانگیر سلیم بن اکبر اولاد بابر سے چھٹا مقتدر بادشاہ تھا (۱۶۱۸۔ ۱۷۰۷ء)۔ اس نے اپنے والد شاہجہان کو قید کروایا اور بھائی محمد دارا شکوہ کو بدعقیدہ ہونے کے الزام میں قتل کروا دیا۔ آپ نے بہت سی مساجد بنوائیں۔ موسیقی اور تصوف کے آپ مخالف تھے۔ دکن، گولکنڈ پ اور بیجاپور کو فتح کر کے انہوں نے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔

گورگان۔ گرکن، ضمہ اور فتحتین۔ ترکی میں داماد کے معانی میں ہے۔ امرے تیمود، امرے سمرقند کے داماد ہونے کے ناتے سے اس لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

۳۔

شیر ببر آمد پدید از طرف دشت

از خروش او فلک لرزندہ گشت

بوئے انساں داد ش از انساں خبر
پنجہ عالمگیر را زد بر کمر

حاشیہ شیر کشی اورنگ زیب (صفحہ۹۹): دور جوانی میں اورنگ زیب کے ہاتھوں شیر شکار ہونے کا واقعات تواریخ میں مذکور ملتے ہیں، مثلاً شاہجہان نامہ میں، مگر حالت نماز میں اس بادشاہ کی شیر کشی کا یہ واقعہ میں نے نہیں پڑھا۔

۴۔

حرف بے صوت اندریں عالم بدیم
از رسالت مصرع موزوں شدیم

حاشیہ صفحہ ۱۰۱: یہ غیر معمولی خوبصورت تشبیہ ہے۔ دین کو حروف صدا دار سے تشبیہ دی گئی۔ اس سے بے صدا حروف صدا دار بنتے ہیں۔ اور پھر وہ وزن و قافیہ میں ڈھل کر مصرع و شعر بنتے ہیں۔ یہ کتنا دل پذیر بیان ہے۔

۵۔قصہ ابوعبیدہ وجاباں (بتائید اخوت اسلامیہ: حاشیہ صفحہ ۱۰۲)

اس بات سے تعجب ہوا کہ مولف حضرت ابوعبیدہ الجراح، فاتح شام اور حضرت ابوعبیدہ ثقفی ہبرو، آزمائے جابان میں امتیاز نہیں کر سکے۔ یہ غلطی پاکستان کے بعض شارحین اقبال کے ہاں بھی مشہور ہے (مترجم)۔

۶۔

ساخت آں صنعتگر فرہاد زاد
مسجدے از حکم سلطان مراد

حاشیہ سلطان مراد عثمانی (صفحہ ۱۰۵) عثمانیوں میں سے پانچ سلاطین کا لقب مراد تھا۔ مغرب میں انہیں Amurat کہتے ہیں۔ ان میں ذیادہ معروف اور شکوہ مند مرد دوم تھے۔ (۱۴۶۱۔۱۴۵۱)۔

انہوں نے شہر بورسہ میں عالی شان عمارات بنوائیں جن میں ایک مسجد بھی تھی۔

اقبال کا بیان کردہ واقعہ شاید اسی مسجد سے مربوط ہو۔ اس سلطان نے شہر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا مگر اسے فتح نہ کر سکا۔ یہ کام اس کے فرزند سلطان محمد (فاتح) نے انجام دیا تھا۔

۷۔

قلب ما از ہند و روم و شام نیست
مرز و بوم او بجز اسلام نیست

پیش پیغمبر چو کعب پاک زاد
ہدیہ ای آورد از بانت سعاد

حاشیہ مرز و بوم اسلام: قرآن مجید میں ہے (۴۹:الحجرات) کہ اے لوگو ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا اور تمہیں تعارف کی خاطر گروہ اور قبائل میں بنایا۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ زیادہ محترم ہے جو متقی تر ہو۔ اسلام میں وطنی قومیت نہیں۔ تاریخ اسلام میں اسے پہلی بار غالبا شاہ اسماعیل صفوی اور سلطان سلیم عثمانی نے ہوا دی اور اپنے اپنے فقہی مسلک کے لوگوں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں سید جمال الدین (۴) کی مساعی کے زیر اثر اتحاد مسلمین کی کوششیں کی جانے لگیں اور کلام اقبال میں یہ موضوع نہایت عمدگی سے بیان ہوا ہے۔

حاشیہ حضرت کعب (وہی صفحہ): ابو المضرب کعب بن زہیر ابن سلمی (۲۶ھ، ۶۴۵ء) اہل نجد میں سے تھے۔ ان کے والد زہیر دور جاہلی کے نامور شاعر تھے جن کا سبعہ معلقہ میں شامل قصیدہ اس مطلع سے شروع ہوتا ہے۔

امن الی اوفی دمنہ لم تکلم
بحو مانہ الدراج فا لمتثلم

کعب کے خاندان کے جملہ لوگ شاعر تھے۔ ان کا جو قصیدہ فتح مکہ کے بعد بار گاہ رسول ﷺ میں مقبول ہوا اور شاعر کو ردائے رسول کا صلہ ملا، اس کا مطلع ذیل ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول
متیم اثرھا لم یفد مکبول

قصیدہ آگے بڑھاتے ہوئے شاعر نے یہ شعر پڑھا:

ان الرسول لسیف یستضاء بہ
مھند من سیوف اللہ مسلول

پیغمبر اکرم ﷺ کو چونکہ کسی خاص خطہ زمین سے نسبت پسند نہ تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت کعب سے فرمایا مھند من سیوف اللہ کہیں۔

اقبال بعد کے اشعار میں اس کا اشارہ کرتے ہیں۔

در ثنایش گوہر شب تاب سفت
سیف مسلول از سیوف ہند گفت

آن مقامش برتر از چرخ بلند
نامش نسبت بہ اقلیمے پسند

گفت سیف من سیوف اللہ گو
حق پرستی، جز براہ حق مپو

۸۔

نیست میش ناتوان لاغرے
در خور سرپنجہء شیر نرے

حاشیہ (صفحہ ۱۲۰): علامہ اقبال کی نظر میں اسلام قوت اور جہاد اور مبارزہ والا دین ہے۔ حدیث نبوی ہے الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ جب تک مسلمانوں نے جہاد و قتال اور پیکار کی سرشت اپنائے رکھی اور اپنا بھرپور دفاع کیا اس وقت تک وہ شکوہ مندی سے ترقی کرتے رہے، مگر جب سے انہوں نے سستی اور اضمحلال دکھانا شروع کیا اور مبارزہ ترک کر دیا، نکبت اور سربزیری ان کا مقدر بنتی گئی۔

ملت ما شان ابراہیمی است
شہد ما ایمان ابراہیمی است

صفحہ ۱۴۰ کا حاشیہ: مولف لکھتے ہیں کہ اقبال نے شان، کے معنی کندوئے عسل یا چھتہ کے جو لکھے ہیں، وہ انہیں کسی لغت میں نہیں ملے۔ اس پر تعجب ہوتا ہے کہ شان بمعنی چھتہ فارسی کی چھوٹی سے چھوٹی لغت میں بھی موجود ہے مگر انہوں نے ایسا کیسے لکھا ہے؟

عشق ورزی از نسب باید گذشت
ہم ز ایران و عرب باید گزشت

حاشیہ (صفحہ ۱۴۶) یعنی ہم مسلمان ہیں پھر ایرانی، ترک یا عرب۔

ایمان روح میں کارفرما ہوتا ہے۔ اور نسب جسم میں۔ ظاہر ہے کہ روح کا رشتہ جسم سے کہیں عظیم اور پائدار ہے۔ علامہ اقبال یہاں ایرانیوں اور عربوں پر انتقاد کرتے ہیں جو آریائی یا عرب نژاد ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں۔

مولف مثنوی ''اسرار خودی'' کے ہر عنوان کے مطالب پر واوین میں مفید عبارات کے ذریعے پہلے توضیحات پیش کیں اور پھر شرح اور حواشی دار متن پیش کیا ہے۔ خودی پر ان کا نوٹ ہم نے اوپر نقل کیا تھا۔ اب بے خودی کی ان کی توضیح کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔ اس مثنوی میں اقبال نے یہ بات واضح کی ہے کہ محفوظ اور تربیت یافتہ خودیوں کو کس طرح مخلوط متحد کیا جائے تا کہ افراد بہتر اسلامی معاشرہ

تشکیل کرسکیں۔ امت اسلام کسی خاص خطے میں محصور نہیں کی جاسکتی ۔ بے خودی، خودیوں سے استفادہ کرنا ہے تا کہ معاشرہ بہتر تربیت، بہبود عامہ اور وسعت پذیری کا عکاس ہو۔ حقیقی اسلامی بے خودی۔ اسلام معاشرے کی اساس باقی رکھنا ہے۔ مسلم بے خودی خدا اور رسول کی محبت کے مقام کے گرد گھومتی رہتی ہے اور اس معاشرے کا نقطہ ماسکہ کعبتہ اللہ ہے۔

اقبال نے مثنوی کے آغاز میں مسلمانوں کو اسلامی اقدار کی پاسداری کی تلقین کی۔ وہ فرد و ملت کا ناگزیر رابطہ واضح کرتے ہیں اور اس رابطے کے ڈھیلا ہونے کے نقصانات بھی بتاتے ہیں۔

مسلمانوں کے بنیادی عقائد توحید و رسالت ہیں۔ توحید نومیدی، خوف اور غم کا ازالہ کرتی ہے اور نبوت قوم کی تشکیل کرتی اور ایک توانا معاشرتی نظام دیتی ہے۔ رسالت حضرت آخر زمان ﷺ، نور ہدایت اور ملت ساز ہے۔ اسلامی معاشرے کی بنیادی تعلیم اخوت، خریت اور مساوات کے سہ گانہ اصولوں پر مبنی ہے۔ توحید کا حامل دین ابدی ہے اور زمان و مکان اس کے مطیع ہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء رحمتہ اللعالمین ہیں اور ان کی امت رنگ، نسل اور زمان و مکان کے علائق سے منزہ ہے۔ اسلام ایک نظریے اور عقیدے کا نام ہے لہذا مسلمان ایک عالمی قوت ہیں جو محدود وطنیت کے تصور سے ماوراء ہے۔ اس قوم کا دستور زندگی قرآن مجید ہے جو ابدی وسیلہ ہدایت ہے۔

اقبال اجتہار کے داعی ہیں مگر دور زوال کے اجتہاد کو پرفتن جانتے ہوئے احتیاط تقلید فقہا کو بہتر قرار دیتے ہیں۔ وہ سلف صالحین کی پیروی کو ایک محفوظ روش بناتے ہیں۔ سیرت کی پختگی خدائی رہنمائی کی حامل تعلیمات اسلامیہ سے ملتی ہے۔ سیرت محمدیہ ایک اسوہ حسنہ ہے جس کا اتباع ضروری ہے۔ مسلمان بیت الحرام کے پاسبان ہیں اور یہ مقام محترم ان کے قومی تشخص اور ملی وحدت کا پاسبان ہے۔ ہر معاشرہ کسی

ہدف عظیم کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اسلامی معاشرہ توحید کی نشر و اشاعت کی ایک ملی فریضے کے طور پر پیش نظر رکھتا ہے۔ قومی زندگی کا تو معہ و تکامل، علوم طبیعی میں مہارت اور قوائے فطرت کی تسخیر کرنا بھی مسلم معاشرے کے اعلیٰ اہداف اور مقاصد ہونے چاہییں۔

بے خودی یا قعمی زندگی کا کمال اس وقت نمایاں ہو گا جب ہر خودی یا فرد کو دوسروں سے متحد ہونے کا احساس پیدا ہوگا۔ ہر فرد کا احساس ملی ایثار و اخلاص کا ضامن ہوگا۔ قومی تاریخ اور روایات اس احساس کو اجاگر کرتی ہیں۔ امومت یعنی ماں کے احترام خاص سے ملت اسلامیہ کی خانوادگی زندگی کی تکریم ہوئی ہے۔ اقبال مقام مادری کو بہت احترام دیتے ہیں اور تلقین کرتے ہیں کہ کہ مسلمان عورت شوہر کی اطاعت اور اولاد کی تربیت کے سلسلے میں حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسوہ کی پیروی کرے۔ عورتیں عفت و حجاب کو اپنا شعار بنائیں اور اس جاہلانہ تبرج سے بچیں جو مغربی عورتوں کا خاصہ بن رہا ہے۔ مثنوی کے آخر میں اقبال نے سورۃ اخلاص کی ایک مختصر تفسیر پیش کی ہے۔

مثنوی ''رموز بے خودی'' ۱۰۱۸ اشعار ہیں۔ اس میں فلسفہ خودی کا حاصل اور نتیجہ ملتا ہے۔ اس میں ایک متحد و منظم قوم کی تشکیل کے راز بیان کئے گئے ہیں۔ اقبال کا مقصد یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو یہ احساس دلا سکیں کہ قرآن مجید کی تعلیم کی اساس اور سلف صالحین کی سیرت پر مبنی ایک امہ متحد کی تشکیل نو ضروری ہے۔ ان دونوں مثنویوں کی تعلیم دین اسلام کی امثلہ پر استوار ہے اور ان کے مخاطب مسلمان ہیں، تاہم ان کے ماحصل اور ہدف سے تمام استعمار زدہ اور مظلوم و پسماندہ اقوام مستفیض ہو سکتی ہیں بالخصوص اقوام مشرق جنہیں مغربی استبداد و استثمار نے مفلوک الحال بنائے رکھا اور اس طرح ملحد، نیچر پرست اور کمونسٹ وغیرہم ان کو مزید دبانے لگے اور ہر طرف سے ان پر یوشیں ہوتی رہیں۔ ان گمراہ مماجموں نے انسانوں کو مشین بنا دیا

اور یہ مشین بے نیل مرام چکر کاٹتی رہی ہے۔ صنعتی اور معاشی تمدن روحانیت سے عاری اور اعلیٰ مقاصد کا فاقد ہے۔ اقبال روح وجسم دونوں یا سواد تمدن اسلامی کا تداول چاہتے تھے۔ اقبال نے اس لیے سرسبزی اور ناتوانی کی تعلیم دینے والے صوفیا سے بھی تعرض کیا کیونکہ ایسے لوگ فنا کو بقا اور کامرانی بتاتے تھے۔ یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اقبال کی مجوزہ بےخودی (ملت سازی) ترک تعلقات اور مردن پیش از مرگ کی تعلیم ہرگز نہیں دیتی ......(صفحہ ۸۳ تا ۸۵)

محمد بقائی (ماکان) کی کتب اقبال شناسی اور تراجم اقبالیات

محمد بقائی (ماکان) ایک جوان سال صحافی اور مصنف ہیں۔ وہ ایران کے علاوہ امریکہ میں بھی پڑھے ہیں۔ انگریزی پر ان کی خوب دسترس ہے۔ ان کی دو کتابیں زیر اشاعت ہیں: (الف) ''خیال وصال''۔ یہ اقبل کی دوبیتیوں کی تشریح وترتیب نو ہے۔ انہوں نے ارمغان حجاز کی جملہ دوبیتیوں کا استقصائی مطالعہ کیا ہے۔ (ب) فلسفہ آموزشی اقبال'' جو ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین مرحوم کی انگریزی کتاب کا ترجمہ اور تحشیہ ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ازراہ محبت اور قدردانی میرے نام معنون کی ہے۔ محمد بقائی (ماکان) کئی کتابوں کے مصنف اور مترجم ہیں۔ اقبال اور اقبالیات کے سلسلے میں ان کی درج ذیل کتب راقم کی نظر سے گزری ہیں: ؎

ا۔ مے باقی شرح و بررسی تطبیقی غزلہائے علامہ اقبال:

یہ کتاب خزاں ۱۹۹۱ء میں انتشارات حکمت خیابان انقلاب اول ابوریحان، تہران نے تین ہزار نسخوں میں شائع کی۔ ابتدائی صفحات میں علامہ اقبال کی تصویر ہے اور ان کے فارسی خط کا نمونہ (زبور عجم کی غزل شمارہ تحریر ۲۲ فروری ۱۹۲۸ء) سرنامے میں زبور عجم ہی کا (حصہ اول شمارہ ۲۳) درج ذیل شعر نقل کیا گیا ہے۔

دریں محفل کہ کار او گذشت ازبادہ و ساقی
ندیمے کو کہ در جامش فروریزم مئے باقی

پیش گفتار میں (صفحہ ۹ تا ۱۰) میں مولف نے غزل اقبال کی چند معنوی خصوصیات بیان کی ہیں: جیسے شہزادہ ایرج مرزا (۱۹۲۴ء) نے کہا تھا کہ غزل سیاسی نہ ہومگر اقبال کی غزل فرخی سیستانی مداح سلطان محمود بلکہ عارف قزوینی سے بھی زیادہ سیاسی ہے۔ اس میں دین وفلسفہ ایسے سمویا ہوا ہے جیسا کہ ناصر خسرو (و۴۸۱ھ) کی غزلیات ہیں ان کی غزلوں کا اسلوب گونیا ہے تاہم ان کا جذب وشوق غزلیات رومی کا سا ہے۔ مولف نے اردو دان حضرات کی مدد سے چودھری محمد حسین مرحوم کے مقالے بسلسلہ غزلیات زبور عجم کی باتیں بھی نقل کی ہیں کہ ۱: اقبال کی غزلوں میں تعداد ابیات سے بے نیازی ہے۔ ۲: مطلع وہ کہیں نہیں لکھتے اور ان کے مقطعوں میں غزلیات رومی کی طرح تخلص شاذ ہی نظر آتا ہے۔ ۳۔ ان کے دو بیتی یا سہ قطعے بھی غزلیات کے اجزا معلوم ہوتے ہیں خواہ زوج در زوج ہوں یا مطالع سے آزاد۔ انہیں غزلوں میں شامل کر کے مولف نے کل غزلیات اقبال ۱۸۹ کی تعداد میں ترتیب دی ہیں۔ انہوں نے ہر غزل کو ایک عنوان دیا اور متن کو الفبائی ترتیب سے مدون کر کے اس پر لفظی اور معنوی حواشی لکھے ہیں۔ آخر میں انہوں نے مفید فہارس بنائیں اور اعلام اور اشاریے سہولت خیز صورت میں پیش کئے۔ بڑی تقطیع میں کتاب ۴۱۰ صفحات پر محیط ہے۔ ڈاکٹر نبی بخش قاضی تہران میں پاکستانی درسگاہ کے پرنسپل ہے۔ ڈاکٹر محمد اسلم خان فارسی ادب کے ایک فاضل شخص ہیں۔ ان دونوں حضرات نے مولف کی مدد کی اور پیش گفتار میں ان کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ مولف ترتیب متن میں کچھ غلط فہمی کا شکار رہے۔ مثلاً پیام مشرق کیحصے مے باقی اور اس کتاب کے ایک دوسرے جزوہ ''افکار'' کے بارے میں۔ اس طرح ''جاوید نامہ'' کی ان غزلوں کو وہ شخص نہ کر سکے جو ''پیام مشرق'' اور ''زبور عجم'' سے ماخوذ ہو کر اس کتاب میں دوبارہ شامل ہوئی ہیں۔ تاہم یہ کتاب توجہ طلب ہے۔ یہ بات کتنی خوش آئند ہے کہ ایرانی یونیورسٹیاں اسے اپنا نصاب درس بنا چکی ہیں۔ اس میں اقبال اور

شعرائے فارسی کا تقابلی حصہ راقم کی کتاب ''اقبال اور فارسی شعراء'' کا سا ہے۔ (شائع کردہ اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۷۷ء) ابتدای غزلوں کے چند اشعار کے حواشی اور معانی میں بطور نمونہ ترجمہ کر کے پیش کر رہا ہوں۔ پہلا شعر ''زبور عجم'' میں سے ہے۔ (حصہ اول غزل ۵۳)

۱۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطاری کشم ناقہ بے زمام را

حاشیہ مولف (صفحہ ۳۵ تا ۳۷)۔ تیسرے شعر کے الفاظ سے استفادہ کر کے غزل کا عنوان ''سرور زندگانی'' رکھا گیا ہے۔

اقبال اپنے ہم عصر کے بعض شعرا کی غیر ذمہ دارانہ روش کے پیش نظر اپنے آپ کو زمرہ شعرا سے جدا بتاتے رہے۔ جو لوگ ان سے شاعرانہ ہنگامہ آرائی اور مضمون آفرینی کی توقع رکھتے تھے، ان کی فرمائش کبھی پوری نہ ہوتی تھی۔ اقبال کا مقصد شعر اصلاح و رہنمائی تھا نہ کہ مضمون آفرینی اور مشاعرہ و محفل آرائی۔ انہوں نے اپنے ہدف شعر کو کئی بار واضح کیا ہے۔ ''پیام مشرق'' کی ایک غزل کا مطلع ہے

بایں بہانہ دریں بزم محرمے جویم
غزل سرایم و پیغام آشنا گویم

مثنوی ''اسرار خودی'' میں آپ نے کہا ہے

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست
بت فروشی ، بت گری مقصود نیست

اس لحاظ سے اقبال فارسی میں ناصر خسرو علوی (م ۴۸۱ھ) کی طرح ہیں جو اپنے افکار و عقائد بزبان شعر بیان کرتے رہے۔ اقبال اس مناسبت سے مثنوی ''گلشن راز جدید'' کی تمہید میں عام طرز شاعری سے صراحتہ ''بیزاری کا اظہار کرتے

ہیں۔

ز جان خاور آں سوز کہن رفت

دمش واماند و جان او ز تن رفت

چو تصویرے کہ بے تار نفس زیست

نمی داند کہ ذوق زندگی چیست؟

کشودم از رخ معنی نقابے

بدست زرہ وادم آفتابے

نپنداری کہ من بے بادہ مستم

مثال شاعراں افسانہ بستم

نبینی خیر ازاں مرد فرو دست

کہ بر من تہمت شعر و سخن بست

بہ کوئے دلبراں کارے ندارم

دل زارے ، غم یارے ندارم

مرا زیں شاعری خود عار ناید

کہ در صد قرن یک عطار ناید

آخری تضمین شدہ شعر سے واضح ہے کہ اقبال ،عطار کے سے شعراء میں شامل

کئے جاسکتے ہیں۔ عطار بھی تو شعر کے ذریعے لوگوں کو پیغام عرفان ابلاغ کرتے رہے تھے۔ ڈاکٹر محمد علی اسلامی نے بھی اقبال پر اپنی تالیف ''دیدن دگر آموز'' کے مقدمے میں لکھا ہے: ''اقبال نے ناصر خسرو کی طرح شعر کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ شعر کی طبعی زیبائی سے قطع نظر وہ خواہ مخواہ کی سخن آرائی سے محترز ہے۔ ان سا دوسرا شاعر شاذ ہی ملے گا۔ انکے ہاں عاشقانہ غزل ناپید ہے اور کوئی مخصوص محبوب بھی مفقود۔ ان کا خطاب عام لوگوں کے ساتھ رہا ہے۔ ان کا بڑا پیغام سعی و بیداری ہے۔ وہ نیند کے متوالوں کو برخیز کہتے رہے اور بیدار دل انسانوں کو آداب زندگی سکھاتے رہے۔۔

اس شعر کیا ختتامی الفاظ شاعر کے مقصود شاعر کے مقصود کو واضح کرتے ہیں۔ اقبال عرف عام کے شاعر تو نہ تھے، مگر ملت اسلامیہ کا اتحاد اور اس کی پیشرفت کی سعی سے وہ کبھی روگرداں نہ ہوئے۔ اس لئے وہ ملت گم گشتہ کو منزل کامرانی تک پہنچانے کی اپنی کوشش کا یہاں برملا ذکر کرتے ہیں۔ ایسے متعہد شعرا گاہے بگاہے ہی پیدا ہوں گے۔

۲۔

اگر ایں کار را کار نفس دانی چہ نادانی
دم شمشیر اندر سینہ باید نے نوازی را

منقولہ شعر زبور عجم کی ایک غزل (حصہ دوم غزل شمارہ ۳۷) کا مقطع ہے۔ اس کے مطلع کے ایک مصرع کے الفاظ سے شارح و مرتب نے اس کا عنوان درد آشنا رکھا ہے ع

تو اے درد آشنا بیگانہ شواز آشنائی ہا

حاشیہ بر ''مے باقی'' (ص ۵۴)۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تو نے نوازی کو صرف سانس کا کام جانتا ہے، تو نادان ہے۔ نے نوازی (شاعری) کے لیے نرم لحن نہیں

بلکہ تلور کی سی تیز اور براں دھار کی ضرورت ہے۔ اس شعر میں لفظ ''دم'' بڑا استادانہ استعمال ہوا ہے۔ دم شمشیر کا لبہ یا اس کی دھار ہے اور نفس بھی۔ اس شعر سے واضح ہے کہ اقبال کے نزدیک نے نوازی یا شاعری نفس کشی اور لحن نوازی نہیں، یہ تو برس شمشیر کا مظہر کام ہے۔

۳۔

از آن بر خویش می بالم کہ چشم مشتری کو ر است
متاع عشق نا فرسودہ ماند از کم روائی ہا

بروں آاز مسلماناں، گریز اندر مسلمانی
مسلماناں روا دارند، کافر ماجرائی ہا

غزل ''زبور عجم'' (حصہ دوم شمارہ ۵۶) کے آخری اشعار (۵ اور ۷) ہیں۔ پہلے منقلہ شعر کی ترکیب ''متاع عشق'' کو غزل کا عنوان بنایا گیا۔ ان اشعار کی تراکیب اور الفاظ کے معانی لکھنے کے بعد برتب غزلیات نے یہ حاشیہ لکھا ہے (صفحہ ۶۴)

..... ''ان اشعار میں علامہ اقبال مسلمانوں کے شاکی ہیں خصوصا برصغیر کے معاصر مسلمانوں کے۔ اس شکایت کو ''مثنوی پس چہ باید کرد'' میں اشکے بر افتراق ہندیاں'' کے عنوان سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ''پیام مشرق'' کی ''پیشکش'' میں افغانستان کے سابق حکمران امیر امان اللہ خان سے خطاب نے بھی یہ شکایت ہے کہ

مسلم ہندی شکم را بندہء
خود پرستے دل ز ویں بر کندہء

اس کتاب کی ایک غزل میں ہے

بہ خاک ہند نوائے حیات بے اثر است
کہ مردہ زندہ نگ ردو ز نغمہ داؤد

مسلمانان ہند کی فریب خوردگی کی شاعر ''جاوید نامہ'' کے خیالی افلا کی سفر میں بھی بیان کرتا ہے۔ (**فلک زحل**)۔ یہاں غداران وطن مبتلائے عذاب ہیں اور روح ہند فریادی ہے کہ

کے شب ہندوستاں آید بروز
مرد جعفر، زندہ روح او ہنوز

تا زقید یک بدن وا می رہد
آشیاں اندر تن دیگر نہد

گاہ او را با **کلیس** ساز باز
گاہ پیش دیریاں اندر نیاز

جعفر سے مراد جعفر بنگالی ہے جس نے حاکم بنگال نواب سراج الدولہ سے ۱۷۵۷ء کی جنگ میں غداری کی اور مسلمانوں کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست کا موجب بنا۔ دیریاں یعنی ہندو برہمن۔

۴۔

ضربت روزگار اگر نالے چو نے دہد ترا
بادہ من زکف نہ چارہ زمومیا طلب

یہ بھی زبر عجم کی ایک غزل کا مقطع ہے (حصہ دوم شمارہ ۴۷)۔ غزل کے مطلع کے الفاظ سے اخز کر کے اس کا عنوان صحبت آشنا'' رکھا گیا۔ اس شعر کے معانی بیان کرنے میں شارح نے کئی حضرات کی معانت کا ذکر کیا ہے۔ (صفحہ ۶۸، ۶۹)

۔ حاصل مطلب یہ کہ اقبال کہتا ہے کہ سخت مشکلات میں اس کے بادہ شعر کو ترک کر کے مومیائی سے کام لو۔ مومیائی نے کے قرینے سے شعر رومی ہے یا کلام اقبال کے عام تناظر میں اسلامی اور قرآنی تعلیمات۔

اس شعر کے بارے میں راقم اور شارح کے درمیان کافی مکاتبت ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اقبال مدعی ہے کہ اس کی شاعری اور تعلیم سر مو قرآن کے خلاف نہیں (دیکھیں) مثنوی ''رموز بے خودی'' کا اختتامی حصہ)لہذا اس کے ہاں بادہ بھی ہے اور مومیائی بھی۔ زیادہ سے زیادہ بادہ اس کی جمالی تعلیم ہے اور مومیائی جلالی۔ یہ تعلیم سیرت پیغمبر اکرم ﷺ سے متبادر ہے۔ اور تخلقو باخلاق اللہ کا خاصہ بھی کہ

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بازیزید تیرا جمال بے نقاب

شارح نے ان معانی پر نظر ثانی کرنے اور دوسری اشاعت میں ترمیم کرنے کا مجھے لکھا ہے۔ بہر حال یہ قابل قدر کتاب غزلیات اقبال کی فارسی میں پہلی شرح ہے۔

بازسازی اندیشہ دینی در اسلام: یہ علامہ اقبال کے سات انگریزی خطبات کا ترجمہ اور تخشیہ ہے۔ ۱۹۶۷ء میں پروفیسر احمد آرام کا ترجمہ: احیای فکر دینی در اسلام تہران سے شائع ہوا جس کی متعدد متاخر اشاعتیں بھی ہوئیں۔ اصطلاحات کی جدول بندی اور اشاریے بھی اس پر مزید ہیں اس پر ڈاکٹر سید حسین نصر نے مقدمہ لکھا ہے۔ اس ترجمے کی زبان عالمانہ اور جملے اصل متن کی طرح طویل ہیں۔ محمد بقائی (ماکان) نے کوشش کی ہے کہ جملے بسیط اور مختصر ہوں، حواشی عسیر باتوں کو سمجھا سکیں اور زبان زیادہ سہل اور رسا ہو۔ اس اعتبار سے یہ دوسرا ترجمہ خاصا گرہ کشا اور کامیاب نظر آتا ہے۔ طباعت، جدول اسط لاحات اور اشاریہ و اعلام کا

معیار بھی حفظ کیا گیا ہے۔ فلسفے کے طلبہ تعلیقات اور حواشی سے خاصے مستفید ہوں گے۔ یہاں میں مترجم کے ابتادیئے کا ایک اقتباس اردو میں منتقل کر کے پیش کر رہا ہوں۔

۔۔۔اس کتاب کے مصنف علامہ محمد اقبال کا نام ہر پڑھنے لکھے ایرانی کے لیے اتنا مانوس ہے کہ ان کا تعارف اور احوال لکھنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ شخصیت اقبال کی مختلف جہتیں ہیں وہ شعر گوئی، تفکر و فلسفہ کی ممتاز استعداد رکھتے تھے۔ ایک طرف آپ کی شاعری فلسفیانہ اور معاشرتی مصلحانہ افکار سے معمور ہے اور دوسری طرف آپ کے فلسفے میں شعر کی دلربائی اور دل آویزی ملتی ہے۔ اقبال کو محض شاعر یا فلسفی قرار نہیں دے سکتے۔ وہ ایک عظیم معاشرتی مصلح بھی تھے۔ ان کی سرزمین کو مغربی استعمار نے دبوچے رکھا مگر اقبال اپنی نثر و نظم کے ذریعے معاشرتی اصلاح کی کوششوں میں سرگرم رہے۔ ان کی تعلیم کا مرکزی نقطہ اسلامی تعلیمات کی اساس پر مبنی خودی یا خود شناسی کا درس تھا۔ وہ ہر کہیں،، برصغیر مادی فضا میں بھی شمع اسلام کے پروانے بنے رہے۔ دین مبین اسلام پر پختہ ایمان و ایقان نے ان کی فکر کو بھی استوار اور مثبت رکھا۔ اس ایمان و ایقان کا مظہر یہ کتاب، باز سازی اندیشہ دینی در اسلام بھی ہے اور کئی حضرات اسے اقبال کی عظیم ترین کارنامہ بتاتے رہے ہیں۔

یہ کتاب سات خطبات یا تقاریر پر مشتمل ہے۔ اس کا اسلوب بھی خطابیہ ہے اس لیے اس کی نثر کسی قدر مشکل ہوگئی کیونکہ فلسفیانہ ہیں اور اصطلاحات جن جا بجا ملتی ہیں۔ دوسرے متعدد فلاسفہ اور مفکرین کے ذکر اور ان کے افکار کے حوالوں اور منقولات نے تفہیم مطالب کو اور بھی مشکل بنا دیا ہے کیونکہ ان مباحث کو صحیح سمجھنے کے لیے مصنف و ناطق کے جملہ اشارات سے آگاہی ضروری ہے۔ راقم نے ترجمے کو آسان اور حوالوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ یاد دہانی اس لیے کرواتا

ہوں کہ کتاب سرسری اور معمولی نہ سمجھی جائے اور اس کا ہر لفظ اور جملہ پڑھنے والے یہ احساس رکھیں کہ اس پیش کرنے والا وہ شخص تھا جسے ''علامہ'' کا محترم لقب ہر صورت بیان میں سزوار ہے۔

ڈاکٹر عشرت حسن انور کی کتاب ''مابعد الطبیعہ از دیدگاہ اقبال'' کا ترجمہ: مابعد اطبیعات (مٹافزکس) کو فارسی داں ماورائیب طبیعت بھی لکھتے اور بولتے ہیں۔ اقبال کا ڈاکٹریت کا مقالہ ایرانی مابعد الطبیعات کے ارتقا کے بارے ہی میں تھا۔ حضرت علامہ ماورائی افکار سے کچھ بیزاری کے باوجود اس موضوع سے کاملا دست کش نہ ہو سکے تھے۔ ڈاکٹر عشرت حسن انور نے اس موضوع پر ڈاکٹریت کا مقالہ لکھا تھا جسے اقبال اکادمی پاکستان نے اردو میں ترجمہ کروا کر شائع کیا ہے (مترجم ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی) محمد بقائی (ماکان) نے اس کا فارسی ترجمہ کروایا اور اس پر مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔ ۲۲۴ نسخوں کی تعداد ۳۳۰۰، سال اشاعت ۱۹۹۱ء حکمت پبلی کیشنز خیابان انقلاب کوچہ اول ابوریحان، تہران

اس کتاب کے سلسلے میں مترجم نے ڈاکٹر نبی بخش قاضی معاونت کا شکریہ ادا کیا اس طرح اقبال اکادمی پاکستان کے معاون ناظم وحید اختر عشرت کا بھی جنہوں نے مترجم کو کتاب کی فوٹو کاپی بھجوائی تھی۔ اس کتاب کی اہمیت کے بارے میں مترجم نے مقدمے میں لکھا ہے۔:

''خطبات اقبال اس دور میں تفکر اسلامی پر ایک عالمانہ کتاب ہے۔ اقبال شناس حضرات ان کی توضیحات پیش کرتے رہیں ہیں کہ اقبال نے خدا، انسان اور کائنات کے ربط اور تفکر اسلامی کی مختلف جہات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر کس طرح پیش کیا ہے۔ اقبال کے مابعد الطبیعاتی افکار پر ڈاکٹر عشرت حسن انور نے خوب لکھا، مگر انہوں نے فرض کر لیا کہ ان کے قاری خطبات اقبال پڑھ چکے ہیں اور ان کے فلسفہ خاص سے آگاہ ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب کے اشارات کو خطبات

اقبال کے حواشی نقل کر کے واضح کریں کیونکہ مصنف نے ہیگل، نطشے اور برگساں وغیرہم ایسے فلاسفہ کی کتب کے حوالے دیئے ہیں جو فارسی میں ہنوز ترجمہ نہیں ہوئیں..... ظاہر ہے کہ مختصر سی اس کتاب کو ترجمہ کرنے میں مترجم کو خاصے صبر اور حوصلے سے کام لینا پڑا ہے۔

چند مقالوں کا ترجمہ وتدوین بسلسلہ رومی، نطشے اور اقبال:

اس موضوع پر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کا انگریزی مقالہ معروف ہے۔ نطشے اور اقبال کے تقابل پر انگریزی میں ایک مقالہ ڈاکٹر سید نعیم الدین نے لکھا اور ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام نے رومی و اقبال کے حوالے سے فارسی میں، ماکان صاحب نے انگریزی مقالات کو فارسی میں منتقل کیا اور تینوں مقالات کے مشترکات کی تلفیق کر کے سودمند توضیحات کے ساتھ ایک عمدہ مجموعہ بنا دیا ہے۔

اس مجموعے کا حاصل و ہدف یہ دکھانا ہے کہ نطشے کا تصور فوق البشر، اقبال کے تصور انسان کامل سے میل نہیں کھاتا بلکہ اقبال اس معاملے میں گوئٹے بانطشے سمیت بعض دوسرے جرمن فلاسفہ کے افکار کے بعض اجزا پسند کرنے کے باوجود مسلم مفکرین خصوصا رومی کے قریب ہیں۔ فریڈرک نطشے اور اس کے ہم نوا جنون قوت کے جویا رہے جبکہ رومی یا اقبال وغیرہ کا انسان برتر اعلیٰ جسمانی اور روحانی اوصاف کا حامل ہے۔ ماکان نے اپنے حواشی میں اقبال کے فارسی اشعار سے بالخصوص استشہاد کیا۔ آخر میں اشاریے کے علاوہ اصطلاحات فلسفہ کی انگریزی اور فارسی حروف تہجی کے اعتبار سے سودمند جداول اور فہارس مرتب شدہ ملتی ہے۔ مقدمہ کتاب میں مولف اور مترجم کے اسلوب کار کی توضیح ملتی ہے:

علامہ محمد اقبال..... وہ مفکر ہیں جن کا نام ہماری سرزمین کی زبان وفرہنگ سے مربوط ہے۔ اور اس نام سے ایران کی ثقافت اور تاریخ و ادب کی خوشبو مشام خاطر کو معطر کرتی ہے۔ نصف صدی سے (زیادہ عرصے سے) ایران میں اقبال کے

بارے میں کتب و مقالات لکھنے اور شائع کرنے کس سلسلہ جاری ہے۔لیکن اب بھی ان کے بارے میں کئی باتیں گفتنی نظر آتی ہیں۔ایران کے فرہنگ اور منطقے کے مفکرین کی تکریم کی خاطر یہ کام ضروری ہے کیونکہ اقبال کے تفکر کی تکریم ہمارا اعتلا ہے اور ہمارے فرہنگ کو محترم ماننے والے کسی شخص کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مقام اقبال کو گھٹانے کی سعی کرے۔کئی جہات اقبال ہنوز شناخت ہونی ہیں کیونکہ معاندان کے بارے میں عجیب طرح کی باتیں کرتے ہیں۔کئی اقبال کی تعظیم صوفیا کے ناقد ہیں کہ اس فضائی تسخیر کے زمانے میں بایزید، سطامی اور حسین بن منصور حلاج کو اہمیت کیوں دی جائے۔بعض ان کے پین اسلامی نظریات کے حوالے سے ان کی رجعت پسندی کی باتیں بناتے ہیں۔بعض ان کے تصور خودی کو فشٹے اور نطشے وغیر ہما کے افکار کی بازگشت بتاتے ہیں بعض سرسری مطالعہ کرنے والے انہیں انگریزوں کا مقلد اور گمراہ فرقوں کا حامی بناتے رہے۔اور کچھ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخالف (جبکہ اقبال نے جعفر بنگالی کے خلاف لکھا ہے)۔بہر طور افکار اقبال کی حقیقی نقاب کشائی کا کام ابھی باقی ہے۔اور عظیم فلاسفہ کی سی ان کی قدر و منزلت کے مراحل ابھی طے ہونے ہیں۔ایسے کام انجام دینا ہم ایرانیوں کا بھی دین ہے کیونکہ اقبال ہمارے ہم کیش، ہم مشرب اور ہمدل و ہم زبان ہیں۔یہ مجموعہ مقالات جو تین مآخز سے لیا گیا، اس کا ہدف یہ ہے کہ فکر اقبال کے بعض پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے اور شاعر کے تفکر کے منابع کے بارے میں عمدا یا غیر عمدا جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں۔ان کا ایک حد تک ازالہ کیا جائے تا کہ فارسی زبان اقبال خواں صحیح صورت احوال جان سکیں۔۔

بشیر احمد ڈار مرحوم کے حواشی،،مثنوی پس چہ باید کرد،،کا فارسی میں ترجمہ

''مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' کوئی سوا پانچ سو ابیات پر مشتمل کتاب

ہے جس میں افکار اقبال کا خلاصہ ملتا ہے۔ یہ مثنوی پہلی بار ۱۹۳۶ء میں طبع ہوئی۔ اس کے فرنگی مدنیت اور پالیسیوں کے خلاف اشعار نے برصغیر کی انگریزی استعماری حکومت کو بالخصوص حضرت علامہ سے متوحش اور ناراض کر دیا تھا (دیکھیں حیدر آباد دکن کے مجلّہ اقبال ریویو بابت ۱۹۸۴ء کی خصوصی اشاعت میں مجدد شائع کیا گیا)۔ بشیر احمد ڈار کی اس کتاب کا انگریزی میں تحشیہ شدہ ترجمہ اقبال اکادمی پاکستان نے ۱۹۸۷ء میں شائع کیا تھا۔ محمد بقائی ماکان کو یہ مفید ترجمہ ہاتھ لگا اور اس کے حواشی کے ترجمے میں انہوں نے ایرانیوں کے لئے اپنے توضیحی اشارات کا اضافہ کر کے شائع کروا دیا ہے۔ یہ مثنوی اپنے مخالف فرنگ لہجے کی وجہ سے ایرانیوں کو بالخصوص پسند ہے کیونکہ اس عصر میں ایسی مہیج صدا شاید ہی کسی نے محدود پیمانے پر بلند کی ہو کہ:

آدمیت زار نالید از فرنگ
زندگی ہنگامہ چید از فرنگ

گرگے اندر پوستین رہ ء
ہر زمان اندر کمین برہ ء

مشکلات حضرت انسان ازوست
آدمیت را غم پنہاں ازوست

در نگاہش آدمی آب و گل است
کاروان زندگی بے منزل است

دانش افرنگیان تیغی بدوش
در هلاک نوع انسان سخت کوش

با خسان اندر جهان خیر و شر
در نسازد مستی علم و هنر

آه از افرنگ و از آئین او
آه از اندیشهٔ لا دین او

علم حق را ساحری آموختند
ساحری نے کافری آموختند

وای از افرنگ و از کار فرنگ
تا کجا در قید زنار فرنگ؟

زخم ازو نشتر ازو سوزن ازو
ما و جوی خون و امید رفو

آن جهان بانی که هم سوداگر است
بر زبانش خیر و اندر دل شر است

گوهرش تف دار و در لعلش رگ است

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

مشک ایں سوداگر از ناف سگ است

ہوشمندے از خم او مے نخورد

ہر کہ خورد اندر ہمیں میخانہ مرد

محمد بقائی ماکان اکثر ایرانیوں کی طرح منقولہ بالا اشعار سے بالخصوص اثر پذیر ہوئے۔اس لیے راقم نے بغرض حوالہ انہیں نقل کر دیا۔اس مثنوی کے حواشی کا ترجمہ ۵ہزار نسخوں کی تعداد میں شائع ہوا۔

انتشارات اکبانان تہران،۱۳۶۹ش ۱۹۹۰ء صفحات ۱۵۶۔

ترجمہ: حواشی وتوضیحات بشیر احمد ڈار بر مثنویہائے گلشن راز جدید

بندگی نامہ:

علامہ محمد اقبال کی یہ دونوں مثنویوں ''زبور عجم'' کے ضمائم ہیں (اشاعت اول ۱۹۲۷ء)۔ان کا انگریزی ترجمہ مع حواشی بشیر احمد ڈار نے ۱۹۶۴ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے زیر اہتمام شائع کروایا تھا۔مترجم چونکہ فلسفہ دان اور تصورف شناس تھے،لہذا ان کے حواشی نے محمد بقائی ماکان کو متاثر کیا جنہوں نے انہیں ترجمہ کر کے مع اپنے اضافی تعلیقات فارسی میں شائع کروا دیا۔انتشارات اکبانان، تہران ۱۳۶۸ء ۱۹۸۹ء صفحات ۲۲۲،تعداد مطبوعہ نسخے ۳ہزار۔مترجم کو اس کتاب کی نقل بھی ڈاکٹر وحید عشرت نے فراہم کر کے ایک خدمت انجام پا جانے میں تشکر پزید معاونت کی ہے۔مترجم نے ''گلشن راز جدید'' پر زیادہ توجہ دی۔انہوں نے اصطلاحات کے معانی لکھے اور انگریزی اور فارسی میں ان کی الفبائی ترتیب سے جدول بندی کی ہے۔بندگی نامہ کے حواشی میں مترجم نے اقبال کا تصورفن پیش کیا ہے۔ذیل کے شعر کی تلمیح وہ سیف الدین سوری سے منسلک کر گئے جبکہ اقبال نے برصغیر کے افغان بادشاہ شیر شاہ سوری کی تعمیرات کی طرف اشارہ کیا ہے

خیز و کار ایبک و سوری نگر
وانما چشمے اگر داری جگر

مترجم نے ''گلشن راز جدید'' میں اقبال کے فلسفہ خودی کو واضح کیا جو ''گلشن راز'' نوشتہ شیخ محمود شبستری تبریزی (و ۷۲۰ھ) کے منتخب سوالات کے جواب کا موجب بنا تھا۔ مقدمے کے ایک حصے کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ دیکھیں مترجم ہداف اقبال کے کتنے شناسا دکھائی دیتے ہیں:

''شیخ محمود شبستری تبریزی۔۔۔اس پر آشوب اور غم انگیز زمانے کے شاہد تھے جس کے بعد اسلامی فرہنگ وثقافت تدریجاً زوال وانحطاط سے دوچار ہوگئی۔ ہلاکو خان کے ہاتھوں ۶۵۵ھ ۱۲۵۸ء میں بغداد کی جو تباہی ہوئی، اسے اتنا ہی نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ کوئی فوجی یا سیاسی شکست تھی یا جس سے مسلمان خلفاء وسلاطین کا فلاں سلسلہ خاتمہ پذیر دکھائی دینے لگا۔ یہ ان امور سے عظیم تر سانحہ تھا مگر اس الم انگیز واقعے کے صرف ۴۰ سال بعد ہلاکو خان کی اولاد اسلام کی اس قدر گرویدہ ہوئی کہ اس دین کی باعصبت حامی اور مروج بن گئی۔ اس طرح اپنی سیاسی اور اجتماعی حالت بہتر بنانے لگے۔ لیکن سیاسی قوت کی پشتیبانی کے باوجود مسودات کتب کے ضیاع اور علماء دانشمندوں کے قتل عام سے اسلامی فرہنگ وثقافت کے جو نقصان پہنچا اس کی تلافی امکان پزیر نہ تھی۔ اخلاقی اور معنوی فضائل کا جو زوال ہوا۔ اس سے لوگوں میں اعتماد اطمینان کے اوصاف نہ رہے۔ جیسا کہ ابن اثیر (عز الدین محمد ۶۳۰ھ) نے ''کام التواریخ'' میں لکھا ہے کہ منگولوں کے خوف سے لوگ غیر معمولی طور پر بزدل اور بے ہمت ہوگئے تھے۔۔فکری جمود اور جسمانی اذیتوں کیاس افسردگی آمیز ماحول میں شیخ محمود شبستری نے مثنوی ''گلشن راز'' لکھی جس میں وحدت الوجود کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس دوران کے شعراء میں عطار، اوحدی کرمانی اور عراقی تھے۔ ان سب نے ابن عربی اندلسی (۶۳۸ھ) کے اس نظریے کو مقبول عام بنانے کی

کوشش کی مگر اقبال کو قرآن مجید کی آیات کی وحدت الوجودی تاویل پسند نہ آئی (دیکھیں تہران یونیورسٹی کی طرف سے شائع کردہ مارچ ۱۹۸۶ء کی اقبال کانفرنس کی گزارش ''درشناخت اقبال'' صفحہ ۱۸۹ء)۔ اس نظریے کی بنیاد یہ کہ کہ ماسوا میں تعدد و تکثر ہے مگر وہ حقیقی وجود سے عاری ہے۔ حقیقی وجود اس ذات یگانہ کا ہے جس کی ہر دوسری چیز پرتو ہے۔ بات سادہ ہے مگر وحدت الوجود کے قائل عرفاء و صوفیاء نکتہ آفرینی کرتے رہے کہ حقیقی او مطلق فاعل اللہ ہے جبکہ انسان تقدیر و سر نوشت کے ہاتھ میں ایک آلہ ءبازی ہی ہے۔ اس احساس کا مٹ جانا ہی احسن ہے وگرنہ انسان اس دنیا کے امور سے بدل بستگی دکھانے لگے تو وہ اپنے فرض منصبی سے دور جا پڑے گا۔ انسان کا فرض یہ ہے کہ خود کو پہچان جانے اور وہم کی اساس پر مبنی دنیا کی قیدوں اور پابندیوں سے آزاد رہے۔ اس سے وہ بوقت موت ذات واحد سے متصل ہو سکے گا جو اس کی نجات اور جزائے اخروی کی ضامن عمل ہے۔ خدا کے ساتھ اتصال و اتحاد دنیا میں بھی ممکن ہے بشرطیکہ ہماری زندگی علائق سے آزاد ہو اور ہماری آرزوئیں اور مقاصد مٹ چکے ہیں..... علامہ اقبال اپنے عصر میں زیادہ پر صعوبت اور مشکل حالات سے دوچار رہے اس لیئے انہوں نے ایسے گمراہی آمیز منفی اثرات مٹانے کی بہت کوشش کی۔ منگولوں کے حملے کے نتیجے میں مسلمانوں کی سیاسی و اجتماعی قوت کو نقصان تو پہنچا تھا مگر ان لوگوں کے پاس کوئی دوسرا فکری نظام نہ تھا جسے وہ پیش کرتے لہذا وہ جلد اسلام کے مطیع ہو گئے۔ اور دین کو قلبا قبول کر لیا۔ اقبال کی معاصر مغربی تہذیب کا معاملہ دوسرا تھا۔ یہ قوت دین بالخصوص دین اسلام کے خلاف صف آرا تھی اور اس صورت حال سے ہر دل سوز فکر مند تھا اور اس کا میدان دل ایک کارزار بنا ہوا تھا۔ بدقسمتی سے عالم مغرب کے تصورات مادیت پر مبنی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام دشمنی پر بھی۔ مخالفت اسلام کی وجہ عالبا مسیحت اور اسلام کی صدیوں پہلے کی سیاسی اور دینی کشمکش کی بنا پر ہو۔ مغربیوں کی جدید جہاں

بانی کی ایک خصوصیت یہ کوشش دکھائی دیتی ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کو نیچا دکھائیں اور ان کا استیصال کرتے رہیں۔علامہ اقبال اقوام مغرب کے ان عزائم سے بخوبی آگاہ تھے اور ''مثنوی گلشن راز جدید'' کی تمہید میں دانائے تبریز (شیخ محمود) اور اپنے مصائب عصری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

گزشت از پیش آن دانائے تبریز
قیامتہا کہ رست از خاک چنگیز

نگاہم انقلابے دیگرے دید
طلوع آفتابے دیگرے دے

ان بارزہ آمیز ایام میں اقبال شیخ محمود کی تقدیر کے آگے بے بسی اور سرسپردگی کے فلسفے کی حمایت کب کر سکتے تھے وہ اپنے نظریہ خودی کا دفاع کرتے ہیں جو انسان کا قوت نما مرکزی جوہر ہے اور جس کے آگے تمام قوائے کائنات سرجم ہو سکتے ہیں۔اقبال مادیت کی تسخیر سے قطع نظر روحانی منازل کی بھول بھلیوں کے قائل نہ ہو سکتے تھے۔وہ روح وجسم اور دین و دنیا کے امتزاج کا درس دیتے ہیں تا کہ زمانے کی رو دبدلی جا سکے اور عالم انسانیت کی احتیاجات پوری اور ان کے درد معالجہ پذیر ہو سکیں۔غرض ''مثنوی گلشن راز جدید'' بھی اقبال کے حیات بخش درد، ولولہ انگیز سعی و کوشش کی محرک اور غیرت مند فلسفے کی حاصل ہے۔۔۔

عبدالرفیع حقیقت متخلص رفیع کی دو کتابیں

رفیع صاحب ایک مسن استاد ادب ہیں۔اب وہ ایک انتشاراتی ادارے کے ناظمین میں سے ہیں۔شرکت مولفان، ومترجمان، ایران، خیابان آفتاب، شمارہ ۲۱ منطقہ ونک تہران۔میرے ٹیلیفون کرنے پر وہ ۲۶ دسمبر ۱۹۹۰ء کی صبح تہران کے ہنک آزادی آئے اور مجھے ان کتب کا ارمغان پیش کیا۔

''اقبال شرق'' یہ نام معنی ہے یعنی تقدیر مشرق۔ استاد رفیع نے اقبال کو پورے مشرق کی خوش نصیبی بتایا ہے۔ ۲۸۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے ۲ ہزار نسخے بنیاد نیکوکاری نوریانی تہران نے ۱۳۵۸ش۔ ۱۹۷۹ء میں شائع کروائے۔ کتاب کے کوئی ۸۰ صفحات سوانح اقبال پر مشتمل ہیں اور باقی حصے میں علامہ مرحوم کے فارسی کلام کا انتخاب ملتا ہے۔ مولف نے کلام اقبال کے نئے مناسب عنوانات قائم کئے ہیں۔ خصوصاً دو بیتیوں اور قطعات کے۔ کتاب کا پورا نام ذیلی نام اس طرح ہے: ''شرح احوال و آثار و افکار و اشعار گزیدہ علامہ محمد اقبال'' مولف نے علامہ مرحوم کے رنگارنگ افکار مختصر توضیحات کے ساتھ پیش کئے ہیں۔

''ایران از دیدہ گاہ علامہ اقبال: استاد رفیع کی یہ کتاب ۳ ہزار نسخوں کی تعداد میں اس ادارے نے شائع کی ہے جہاں وہ بطور ناظم کام کرتے ہیں (دیکھیں اوپر ''اقبال شرق'') اور یہ ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مفید کتاب میں ایران قدیم و وسیع کی مطلوبہ شخصیتوں کو مختصراً متعارف بھی کروایا گیا ہے۔ اس تناظر میں جملہ اربابِ کمال شامل کئے گئے ہیں جیسے مانی، مزدک، سلمان فارسی، بایزید بسطامی، ابن سینا، معتزلی اور اشعری فلاسفہ، ابوبکر رازی، ابن مسکویہ، امام فخر الدین رازی، ابن حلاج، امام غزالی، اسمعیلی مفکرین، ملا جلال الدین دوانی، ملا صدرا، ملا ہادی سبزواری، شاہ ہمدان، شیخ سہروردی مقتول، شمس تبریز ابونصر فارابی ابوریحان، البیرونی اور خواجہ نصیر الدین طوسی وغیرہ ہم۔ البتہ مولف کے منابع اقبال کا فارسی کلیات اور فارسی میں ترجمہ شدہ ان کی دو انگریزی کتابیں سیر فلسفہ در ایران (دی ڈیولپمنٹ .....) اور ''احیائے فکر دینی در اسلام'' (خطبات) ہیں۔ اگر اقبال کے اردو اور دیگر انگریزی آثار بھی ان کے پیش نظر ہوتے تو یہ کتاب زیادہ جامع بن سکتی تھی۔ مثلاً وہ کہنے لگے کہ تعجب ہے اقبال نے فردوسی کا کہیں ذکر نہ کیا۔ میں نے بتایا اردو میں کم از کم دو بار ان کا ذکر اقبال کے ہاں ملتا ہے۔ ''مقالات اقبال'' اور ''بال جبریل'' تو دو

ایسے حوالوں سے استفادہ نہ کر سکنے کا افسوس کرنے لگے۔ مولف نے ہر شخصیت کا ذکر اقبال کے تاثر اور تناظر سے کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے وضاحت بھی پیش کی ہے مثلاً سلطان محمود غزنوی کے بارے میں ان کی ذاتی رائے جو بھی ہو،، انہوں نے تاثر اقبال کا بحوالہ مثنوی ''مسافر ذکر کیا ہے۔

گنبدے در طورف اور چرخ مبیں
تربت سلطان محمود است ایں

آنکہ چوں کو دک لب از کوثر بشت
گفت در گہوارہ نام او نخست

زیر گردوں آیت اللہ را یلتش
قدسیاں قرآں سرا برتر تتش

اقبال اور اقبالیات پر متفرق کتب: فلسفہ آموزشی اقبال یعنی ڈاکٹر سید غلام السیدین کی انگریزی کتاب Iqbal's Educational Philosophy کا ترجمہ از عزالدین عثمانی تعارف از فتح اللہ مجتبائی، مطبوعہ انتشارات حکمت، تہران صفحات ۳۱۸ (۱۳۶۳ش، ۱۹۸۴ء)۔ اس کتاب کے محمد بقائی ماکان کے ترجمے کے زیر اشاعت ہونے کا ہم ذکر کر چکے۔ محمد احمد صدیقی نے اس کا ملخص اردو میں پیش کیا ہے (آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۸۵ء)۔ اس کتاب کا مسودہ مصنف نے ۱۹۳۶ء میں علامہ اقبال کے ملاحظے سے گزارا تھا۔ کسی قدر ترمیم و اصلاح کے بعد اس کا کچھ حصہ ۱۹۳۸ء میں سہ ماہی ''اسلامک کلچر'' دکن میں شائع ہوا اور اس سال سے یہ اہم کتاب اب تک کوئی ایک درجن اشاعتوں سے مزین ہو چکی ہے۔ کتاب کے نو ابواب ہیں: شخصیت یا خودی، ارتقائے شخصیت، امتزاج

روح و مادہ، فرد و ملت (خودی و بے خودی) کا رابطہ، تخلیقی ارتقاء، عقل و عشق کا تعلق، تعلیم برائے کردار، خوب۔ اسلام کا معاشرتی نظام ارتعلیم اور تخلیقی بصیرت۔ اس ترجمے کے تعارف نویس فتح اللہ مجتہائی پاکستان اور بھارت میں ایران کے کلچرل اتاشی رہ چکے ہیں اور افکار اقبال کی اہمیت سے خاصے آگاہ معلوم ہوتے ہیں۔

گزیدہ اشعار فارسی علامہ اقبالؒ: انتخاب ساز و حوشی نویس ڈاکٹر ابو القاسم رادفر، شائع کردہ ادارہ امیر کبیر، تہران، طبع اول ۱۳۶۵ش۔ ۱۹۸۶ء طبع دوم ۱۳۶۹ش، ۱۹۹۰۔

امیر کبیر ایک بڑا اشاعتی اور کتب فروشی کا ادارہ ہے جس کی درجنوں دکانیں ہیں۔ اس ادارے نے بزرگان شعر و ادب کے انتخابات درسی ضروریات کے تحت نہایت حسین طریقے سے دیدہ زیب کاغذ اور جلد کے ساتھ شائع کروائے ہیں۔ اس طائفے میں اقبال بھی شامل ہیں۔ ان کا منتخب کلام دو بار ساڑھے سولہ ہزار نسخوں کی تعداد میں شائع ہوا اور طلبہ میں متداول تر ہو گیا ہے۔ مرتب سے راقم کی ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں توجہ دلائی کہ وہ مثنوی گلشن راز جدید اور مثنوی بندگی نامہ کے نشان دادہ (نشان میں نے لگائے تھے) آسان حصوں کا انتخاب بھی اس گزیدہ میں شامل کریں۔ انہوں نے ایسا کرنے کی ہامی بھری ہے جس کے لیے تیسری اشاعت کا انتظار ہے۔

ترجمہ نامہ ہا و نگاشتہ ہائے اقبال یعنی بشیر احمد ڈار مرحوم کے مرتبہ Letters and writings of Iqbal (اقبال اکادمی پاکستان اشاعت اول ۱۹۶۷ء دوم ۱۹۸۱ء) کا ترجمہ از عبداللہ ظہیر خیابان احمد آباد مشہد صفحات ۱۰۲۔

نومبر ۱۹۸۴ء میں دانشگاہ مشہد کے دانش کدہ ادبیات و علوم انسانی کو اس ادارے کے ایک نامور مفکر استاد مرحوم ڈاکٹر علی شریعتی (۱۹ جون ۱۹۷۶ء) کے نام نامی سے منسوب کیا گیا اور اس موقع پر چند کتابوں کی اشاعت ہوئی جن میں یہ

ترجمہ بھی شامل ہے۔ مترجم کے ہم کار محمد حسین ساکت مشہد میں ایک مجسٹریٹ ہیں اور افکار اقبال کے مداح۔ راقم، مترجم اور ساکت صاحب کا سالہا سال سے شناسا ہے۔ وہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں پاکستان آئے اور راقم سے ملے تھے۔ ساکت صاحب بھی اقبال پر ترجمے اور تحشے کا کام کر رہے ہیں۔ بشیر احمد ڈار مرحوم کی ترجمہ شدہ کتاب سے اہل پاکستان آگاہ ہیں۔ اس میں اہم خطوط اور تحریریں ملتی ہیں اور اقبال شناسی کے اہم ترحوالے جیسے جاپان میں اقبال شناسی اور حضرت علامہ کا سفر اندلس (جنوری ۱۹۳۳ء)

اقبال شناسی۔ نوشتہ حسن شادوان با مقدمہ استاد سید محمد محیط طباطبائی (و ۲۱ اگست ۱۹۹۲ء بہ سنہ ۸۹ سال) شائع کردہ ادارہ ت بلیغات اسلامی میوان فلسطین تہران صفحات ۳۰۲ تعداد نسخہ ۵ ہزار طبع اول اوائل ۱۳۷۱ ش، ۱۹۹۲ء۔

یہ تازہ ترفارسی کتاب ''اقبال شناسی'' جس پر راقم نے مجلّہ دانش اسلام آباد میں بھی مختصر تبصرہ کیا ہے (خزاں ۱۹۹۲ء یعنی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۲ء) مولف نے علی سردار جعفری کی اردو کتاب کی طرح اس کا نام اقبال شناسی رکھا ہے۔ یہ کتاب بعض تسامحات اور زلات کے باوجود جن سے راقم نے مولف کو آگاہ کیا ہے نہایت دلچسپ، جامع اور اہم ہے۔ مولف نے اقبال شناسی کے لفظی اور معنوی مباحث واضح کئے ہیں۔ کتاب کے دو بخش (حصے) ہیں اور ۱۸ فصول۔ حصہ اول کی سات فصول ہیں اور حصہ دوم کی گیارہ۔ بعض عنوانات ملاحظہ ہوں:

حصہ اول، فصل پنجم۔ شعر اقبال کے خاص الفاظ اور اصطلاحات، اقبال کی نئی تراکیب اور ان کے نئے مضامین و مفاہیم۔ ساتویں فصل، اقبال کے قائل وحدت الوجود ہونے کی مدلل تردید۔ یہاں مولف نے ڈاکٹر عبد الوہاب عزام مرحوم کی کتاب ''اقبال سیرتہ وفلسفہ وشعرہ'' کا ایک طویل اقتباس ڈاکٹر محمد غفرانی کے ترجمے کی رو سے نقل کیا ہے۔ دوسرے حصے کی تیسری فصل اقبال کی انقلابی اسلامی فکر کے

بارے ہیں ہے۔ پانچویں فصل اقبال کے شعری تعہد (کمٹ منٹ) کے بارے میں ہے۔ مصنف کی نظر میں اقبال کے سے کمٹڈ شاعر عالم اسلام میں شاذ ہی پیدا ہوئے ہیں۔ مولف اقبال کے شعر کو انسانیت کا سرمایہ افتخار بتاتا ہے (صفحہ ۱۸)۔ وہ لکھتا ہے کہ اقبال کے الفاظ قوت وشکوہ کے مظہر ہیں اور ان کے افکار پر حرکت وعمل ہیں۔ مثلاً صوف وعرفان کی وہ شکوہ مندی جو اقبال کو عزیز ہے، کس قدر گرہ کشا ہے کہ

فقر قرآن احتساب ہست و بود
نے رباب و مستی و رقص و سرود

فقر مومن چیست؟ تسخیر جہلت
بندہ از تا شیر اور مولا صفات

فقر کافر خلوت دشت و در است
فقر مومن لرزہ بحر ہ براست

زندگی آں را سکون غاز و کوہ
زندگی ایں را را ز مرگ با شکوہ

(کتاب زیر حوالہ صفحہ ۲۶۶)

مصنف شعر اقبال کو صیغہ پیغمبری سے مزین بتاتا ہے کیونکہ شاعر اسلام جملہ مسائل کا حل مسئلہ توحید سے وابستگی بتاتا ہے۔

دلبری بے قاہری جادو گری است
دلبری با قاہری پیغمبری است

عاشقی توحید را بر دل زدن
وانگہی دل را ہوبہر مشکل زدن

اس کتاب کے بعض عنوانات یہ ہیں: اقبال کا شعرائے فارسی رومی، سعدی، حافظ اور بہار سے موازنہ، اقبال کا تصور انسان کامل، اقبال اور اتحاد مسلمین، اقبال کا درس خودی، شاعر شمشیر و جہاد، کلام اقبال میں آیات، احادیث اور تاریخی و عرفانی نکات کے اشارات اور تلمیحات۔ سرکاری اداروں میں اشاعت کتب کی ہر کہیں دیر وہو جاتی ہے۔ ''اقبال شناسی'' بھی چار سال بعد شائع ہوئی ہے۔ کتاب بڑی تقطیع (ساڑھے نو ضرب ساڑھے چھ س م) پر آفسٹ اور بہترین کاغذ پر طبع ہوئی ہے۔ کتاب لکھے جاتے وقت ایران کے دو مسلم ملکوں کے ساتھ تعلقات کشیدہ تھے۔ ان پر انتقاد بھی شامل کتاب ہے۔ اس کے چند تسامحات (صحیح صورت حال لکھے بغیر) کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، اقبال اکادمی پاکستان کے بانی ہیں (صفحہ ۲۱)۔ سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی کی کتاب ''جہانگیری'' و ''الطائف الاشراف'' لکھی گئی (۴۳) جبکہ وہ ''لطائف اشرفی'' ہے

۳۔ فارسی کتاب ''اقبال و دیگر شعرا ای فارسی'' میری تالیف ہے (صفحہ ۲۷۱ سطر ۹، ۱۰) مولف نے اس کا انتساب غلط کیا ہے۔

۴۔ سنجرستان کوئی قصبہ نہیں۔ اصل بجز (س ج ز) ہونا چاہیے (حاشیہ ۲۳۲)۔

کتاب کے آخری صفحات پر علامہ اقبال کی فارسی تحریر کا عکس ہے اور ان کی بعض عمدہ تصاویر جو ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کی محولہ بالا کتاب پر مبنی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کتاب خواندنی ہے۔

منابع اور توضیحات

۱۔ اس سے قبل (صفحہ ۳۹) اور بعد (صفحہ ۵۴) مولف نے صحیح مدعو کن کا ذکر

کیا ہے۔

۲۔ سیاہ پوش۔ تلخ بمعنی سیاہ و تاریک بھی ہے۔

۳۔ زیاں کار، دیکھیں نظم ''شکوہ'' کا آغاز۔

۴۔ اکثر ایرانی سید جمال الدین کو اسعد آبادی افغانی کی بجائے اس آبادی ہمدانی لکھتے ہیں۔

۵۔ دینی و اخلاقی افکار اور اسمعیلی عقائد۔

۶۔ اقبال شناسی کی اس کتاب کو چند سال پہلے تہران کے عظیم اشاعتی ادارے امیر کبیر نے شائع کیا تھا۔

۷۔ دیکھیں اقبال کی انگیزی نوٹ بک Stray Reflections مرتبہ ڈاکٹر جاوید اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع دوم ۱۹۸۷ء میں Metaphysics پر اقبال کا اظہار خیال۔

۸۔ دیکھیں اس مثنوی کے میرے ترجمے کا تعارف، اقبال شریعتی فاونڈیشن ۱۷ ایجرٹن روڈ لاہور ۱۹۹۲ء۔

۹۔ دیکھیں اقبال ریویو (انگریزی) بابت اپریل، سال ۱۹۹۰ء میں میرا مقالہ Iqbal in 50 Volumes of the Islamic Culture.

۱۰۔ توضیح کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب ''اقبال کے تعلیمی نظریات''، گلوب پبلشرز اردو بازار لاہور ۱۹۸۹ء کتاب کا آخری حصہ دیکھا جائے۔

---------- اختتام ----------